قد افلح من تزکّی و ذکر اسم ربہ فصلّی — القرآن الکریم

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا

ماہنامہ

الرشاد

لاہور

دسمبر ۱۹۹۱ء

رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۶۰۷

شیخ المکرم حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہ

کے بیانات کی وڈیو کیسٹس تیار ہوچکی ہیں

وڈیو کیسٹ

رمضان المبارک			کیسٹ نمبر
۲۱	۲۲		۱
۲۳	۲۴	۲۵	۲
۲۶	۲۷	۲۸	۳
۲۹	۳۰		۴
تقریب رونمائی غبارِ راہ لاہور			۵
اجتماع لنگر مخدوم			۶

-/۲۵۰ روپے فی کیسٹ مع -/۱۰ روپے ڈاک خرچ، بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر ناظمِ اعلیٰ کے نام بھیج کر منگوا سکتے ہیں،

ناظم اعلیٰ اویسیہ سوسائٹی۔ کالج روڈ۔ ٹاؤن شپ۔ لاہور

جلد: ۱۲ — شمارہ: ۵
جمادی الثانی ۱۴۱۲ھ ، دسمبر ۱۹۹۱ء

ایل نمبر ۸۶۰۷

ماہنامہ

المرشد

لاہور

یکے از مطبوعات: ادارہ نقشبندیہ اویسیہ: دارالعرفان چکوال

فہرست مضامین

ادار یہ ——— ۳
رُوح۔ امرِ ربی ——— ۴
ظلمت سے روشنی کی طرف ——— ۱۵
قبلہ کا تعین ——— ۲۳
عقیدہ، عمل اور تبلیغ ——— ۲۷
سوال آپ کا جواب شیخ المکرم ——— ۳۵
بے نیاز رب ——— ۴۱
دوسری شادی ——— ۴۳

بدلِ اشتراک

فی پرچہ دس روپے، ششماہی ۵۵ روپے
چندہ سالانہ ۱۰۰ روپے، تاحیات ۱۰۰۰ روپے

غیر ملکی

سالانہ — تاحیات
سری لنکا، بھارت، بنگلہ دیش ۲۰۰ روپے، ۲۰۰۰ روپے
مشرق وسطیٰ کے ممالک ۵۵ سعودی ریال، ۲۵۰ سعودی ریال
برطانیہ اور یورپ ۱۲ سٹرلنگ پونڈ، ۶۰ سٹرلنگ پونڈ
امریکہ و کینیڈا ۲۵ امریکن ڈالر، ۱۲۵ امریکن ڈالر

پتہ:۔ ماہنامہ المرشد۔ اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور۔ ٹیلیفون لاہور ۸۴۴۹۰۹

ناشر:۔ پروفیسر حافظ عبدالرزاق، پرنٹر:۔ طیب جمال، ریٹی گن روڈ لاہور

ماھنامہ **المرشد** کے:

بانی : حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ
مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست : حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ،
شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

مشیر اعلیٰ
نشر و اشاعت : پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم۔اے (عربی) ایم۔اے (اسلامیات)

ناظم اعلیٰ : کرنل (ریٹائرڈ) مطلوب حسین

مدیر : تاج رحیم

اداریہ

اسلام ہمارا دین ہے ، ایمان ہے ، طرزِ زندگی ہے ، ہمارا کلچر ہے ، ہمارا پورا ضابطۂ حیات ہے ۔ لیکن کونسا اسلام ؟ یہاں تو ہر گلی ، ہر محلے کے موڑ پر مختلف اسلام ملتا ہے ۔ اُس کا پرچار کرنے والا ملتا ہے ۔ اُس کا اپنا ہیڈ کوارٹر ملتا ہے ۔

مذہب ایک ایسا منافع بخش کاروبار ہے جس میں اپنی جیب سے کسی سرمایہ لگانے کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ مناسب لوکیشن ، ذاتی صلاحیت اور کسی بڑے ہیڈ کواٹر سے فرنچائز ، کاروبار کی کامیابی کی ضمانت ہیں ۔ یہودی بڑی تیز کاروباری قوم ہے ۔ نہ جانے وہ اِس میدان میں کیوں ہم سے مات کھا گئے ؟ رہ گیا معاملہ اُس اسلام کا جو چودہ صدی پہلے تھا ۔ نام تو اب بھی وہی قائم ہے لیکن زمانہ بدل گیا ہے ۔ رہن سہن کے دستور بدل گئے ہیں ۔ لباس کے فیشن بدل گئے ہیں ۔ اِسی طرح مذہب میں بھی ، نظریاتی تبدیلی نہ سہی ، وقت کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمارے قائدین مذہب نے عملی تبدیلیوں کو ناگزیر سمجھ کر ، ایسی تبدیلیاں کر دیں ۔ ہم عوام الناس چونکہ اِن قائدین کے پائے کا علم نہیں رکھتے اِس لیے یہ بہت سارے جدید اسلام ہماری سمجھ سے بالاتر اور ہمارے لیے پیچیدہ ہیں ۔ ہمارے لیے تو وہی چودہ سو سال پرانا اسلام اچھا ہے جو سادہ تھا ، عام فہم تھا ۔ جو ہماری ہر دینی اور دنیوی ضروریات کے لیے کافی تھا ، لیکن اُس دین کو سمجھانے اور سمجھنے والے کتنے لوگ باقی ہیں ؟

تاج رحیم

روح ۔ امرِ ربی

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ۚ ○ وَالۡجَآنَّ خَلَقۡنٰہُ مِنۡ قَبۡلُ مِنۡ نَّارِ السَّمُوۡمِ ○ وَاِذۡ قَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ○ فَاِذَا سَوَّیۡتُہٗ وَنَفَخۡتُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَہٗ سٰجِدِیۡنَ ○ فَسَجَدَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّہُمۡ اَجۡمَعُوۡنَ ۙ○ اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ اَبٰۤی اَنۡ یَّکُوۡنَ مَعَ السّٰجِدِیۡنَ ○ (سورۃ الحجر)

اِن آیات میں مکلف مخلوق کی چار اقسام کا ذکر ہے۔

اللہ جلّ شانہٗ کی ساری کائنات میں وہ مخلوق جو مکلف ہے۔ (مکلف سے مراد وہ مخلوق ہوتی ہے جسے حکم کا پابند بنایا گیا ہو۔ اور باقی ساری مخلوق جو فطری تقاضوں کے مطابق عمل ہے اُسے مکلف نہیں کہا جا سکتا۔) جسے حکم کی تکلیف دی گئی، جسے احکام الٰہی کی پابندی کرنا لازم ہے جس سے اُس کی پرسش ہو گی۔ مکلف مخلوق چار قسم کی ہے۔ فرشتہ، شیطان، جن اور انسان۔ پانچویں کوئی قسم مخلوق کی مکلف نہیں ہے۔ ان کے علاوہ جتنی ہے وہ فطری تقاضوں کے مطابق عمل کرتی رہتی ہے۔ اُس میں نہ اطاعت ہے اور نہ نافرمانی کا کوئی عنصر ہے۔ اللہ نے جو اُن کی جبلت بنا دی ہے۔ اُس کے مطابق وہ وقت بسر کرتے رہتے ہیں۔ اِن چاروں میں فرشتہ نوری مخلوق ہے اور اُسے نفس نہیں دیا گیا خواہشات نہیں دی گئیں۔ ضرورتیں نہیں دی گئیں۔ اُس کی ضرورت، اُس کی خواہش، اُس کا آرام، اطاعتِ الٰہی میں ذکرِ الٰہی میں ہے۔ اِس کی غذا اِس کا کھانا پینا ذکرِ الٰہی میں ہے اور اس کا کام اللہ کی اطاعت کرنا ہے وہ سراپا اطاعت ہے۔

شیطان کبھی یہیں سے الگ ہوا۔ شیطان علمائے حق کے مطابق ہے تو جنوں میں سے ہی تخلیقی اعتبار سے ایک جن ہی ہے۔ لیکن اپنی حیثیت میں بالکل ایک الگ نوع اور الگ خلق قرار پایا۔ اِس لیے کہ اِس نے جنات میں سے ہوتے ہوئے اتنی عبادت کی اتنی محنت کی کہ فرشتوں میں اِسے شمار کیا گیا اور آسمانوں پر رہنے کی اجازت دی گئی۔ مفسرین کرام کے مطابق جنات پہلے تخلیق ہوئے انسانوں سے۔ اللہ کریم نے یہاں اُن کا ذکر بھی فرمایا ہے۔

وَالۡجَآنَّ خَلَقۡنٰہُ مِنۡ قَبۡلُ مِنۡ نَّارِ السَّمُوۡمِ ○

انسان سے پہلے آگ کے شعلے، آگ کی لپیٹ، آگ کی وہ گرم ہوا یا آگ کی وہ گرم اور لطیف کیفیت جو نظر نہیں آتی۔ آگ نظر نہ آنے والی چیز ہے۔ آگ میں جو کچھ دکھائی دیتا ہے وہ جلنے والے کثیف عناصر ہوتے ہیں جو نظر آتے ہیں۔ آگ سے مراد وہ حدت وہ گرمی

وہ تمازت ہوتی ہے جو نظر نہیں آتی جو اپنی ذات میں ایک لطیف اور نظر نہ آنے والا عنصر Radiation ہوتی ہے لیکن جب اُس میں کثیف مادے شامل ہو کر جل اُٹھتے ہیں تو وہ نظر آتے ہیں۔ جو ہوا میں بھی ہوتے ہیں تو جنوں کی تخلیق اُس سے کی گئی۔ اب عجیب بات یہ ہے کہ ملائکہ کی تخلیق کے ساتھ کبھی نفخ روح کی بات نہیں ہے۔ جنوں کی تخلیق کے ساتھ نفخِ رُوح کی بات نہیں ہے۔ زندگی ملائکہ میں بھی ہے۔ حیات جنوں میں بھی ہے۔ مکلف جنوں کو بھی بنایا گیا ہے۔ اعمال کی پرسش اُن سے بھی ہوگی۔ اِس لیے کہ جنوں کے ساتھ ضروریاتِ زندگی اور خواہشات ہیں۔ کھانا پینا سونا جاگنا، بیوی بچے مال، اولاد، گرمی سردی، دوست دشمن اِس سارے زندگی کے عمل سے جنات بھی گزرتے ہیں۔ انسانوں کی تخلیق سے پہلے مفسرین کے مطابق جنات زمین پر آباد تھے اُن میں سے کسی کو اُن پر امیر یا حکمران یا بادشاہ مقرر کر دیا جاتا تھا۔ جو اللہ کی اطاعت کرنے والا ہوتا تھا۔ اور اُسے ضابطے سمجھا دیئے جاتے تھے۔ اُس کے مطابق جب تک یہ رہتے۔ پھر کسی کو قتل کرتے کوئی فوت ہو جاتا، کسی کو معزول کرتے فساد بپا کرتے۔ پھر آسمان سے فرشتے بھیجے جاتے جو بعض کو قید کرتے بعض کو قتل کرتے بعض کو سزا دیتے اور پھر اِس طرح سے اُن کی اصلاح کر دی جاتی پھر اُن میں سے کسی اچھے فرد کو حکمران بنا دیا جاتا اور ابلیس جب جنوں میں سے عبادت کرتے کرتے اُس درجے پر پہنچا کہ اِسے آسمانوں پر رہنے کی اجازت دی گئی تو پھر یہ ذمہ داری بھی اِس کے سپرد کی گئی جیسے وہ کہا گیا ہے۔

~ زراہِ تفاخر بفوج ملک
گہہ بر زمین بود گاہ بر فلک

کہ بڑے فخریہ انداز میں فرشتوں کی فوج ہمراہ لیے ہوئے یہ کبھی زمین پر اُترتا تھا۔ کبھی آسمانوں میں ہوتا تھا جب دُنیا پہ جنات فساد بپا کرتے تو اللہ کریم اِس کو بھیجتے اور یہ اُن کی اصلاح کرتا اللہ کے کے حکم کے مطابق۔ لیکن بڑی عجیب بات ہے۔ ان میں زندگی بھی ہے۔ اُنہیں تکلیف بھی دی گئی۔ احکام ماننے پر مجبور بھی کیا گیا۔ لیکن اُن میں نبوت و رسالت نہیں دی گئی۔

اِس بات پر سب کا اتفاق ہے۔ علماء کا کہ جنوں میں نبوت نہیں تھی۔ بعض علماء نے ایک نام لکھا ہے کہ یوسف ابن یاسف نام کا ایک جن گزرا ہے وہ نبی تھا لیکن جمہور کی رائے اِس کے خلاف ہے۔ کہ نبوت ایسی چیز نہیں ہے کہ انہیں دی گئی۔ پھر اُس کے بعد کبھی نہیں دی گئی ایک نبی بھیجا گیا پھر کبھی نہیں بھیجا گیا تو یہ ایک ایسا عمل ہے کہ اگر اُن میں سے ایک نبی ہوتا تو پھر اُن میں اور نبی بھی ہوتے تو کبھی پوری حیات میں تخلیق سے لے کر قیامت تک صرف ایک نبی کا ہونا یہ درست نہیں ہے بلکہ وہ انہی سلاطین یا امراء یا اللہ کے اُن مقرب بندوں میں سے ہے جنہیں جنوں پر حکمران بنایا گیا۔ اُس کے بارے میں علماء کہتے ہیں کہ اُسے بھی انہوں نے قتل کر دیا۔ جب آدم علیہ السلام تشریف لائے تو انسانوں میں پہلا انسان ہی نبی تھا وہ شخص جس سے انسانیت کی بنیاد رکھی گئی وہ خود اپنی ذات کا نبی تھا گویا نبوت عطا ہی صرف انسانوں کو ہوئی اور اس کی بنیاد نفخِ رُوح باری پر ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں۔

اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ سڑے ہوئے خشک شدہ گارے سے مٹی کا ایک ایسا عنصر جو گارا بنتے بنتے گل سڑ جاتے اور پھر اُس کے بعد وہ خشک ہو جاتے۔ سیاہ مٹی آپ نے گل سڑی دیکھی ہوگی۔ پھر جب وہ خشک ہو جائے فرمایا اِس طرح کی خشک مٹی سے میں ایک بشر تخلیق کرنے چلا ہوں لیکن وہ صرف ایک عام تخلیق نہیں ہوگی جیسے کائنات بھری ہوئی ہے۔ اِس میں سُورج ہیں چاند ستارے ہیں۔ اُس میں نباتات ہے اُس میں طرح طرح کے حیوانات چرند اور پرند ہیں اِس میں بے شمار تخلیق ہے۔ یہ جو صنعت ہوگی یہ جو جسے مَیں نے بشر کا نام دیا ہے۔ یہ جسے مَیں آدمی کہتا ہوں یا

جسے انسان کہا جائے گا۔
فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ۔ جب میں اُسے دُرست کر دُوں جب اُس کی تخلیق یا اُس کی سنعت یا اُس کے وجود کے بننے کا عمل مکمل ہو جائے۔ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ۔ اُس میں مَیں اپنی رُوح پھُونک دوں۔
فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۝ تو تم سارے کے سارے اُس کے سامنے سربسجود ہونا۔ نفخِ رُوح جو انسان کو نصیب ہوئی جس پر بنیاد ہے نبوّت کی۔ نبوّت کی اصل کیا ہے۔ نبوّت کس کیفیت کو کہتے ہیں یا نبی کے پاس کیا چیز زائد ہوتی ہے جو غیر نبی کے پاس نہیں ہوتی نبی کے دِل کا آئینہ، دل کی آنکھ، دل کا شعور، براہِ راست اللہ کی ذات سے آشنا ہوتا ہے۔ بغیر کسی واسطے اور ذریعے کے۔ نبوّت اُس آشنائی کا نام ہے۔ نبوّت اُس پہچان کا نام ہے۔ نبوّت اُس تعلق کا نام ہے جو نبی علیہ السلام کے قلب کو بغیر کسی واسطے کے براہِ راست ذاتِ باری سے نصیب ہو۔
اس لیے اللہ کریم اُس سے کلام فرماتے ہیں اور اُس کی معرفت سارے بندوں تک اپنا پیغام پہنچاتے ہیں اللہ کے کلام کو سُننا یہ شان بھی نبی علیہ السلام کا ہے اللہ کے کلام کو سمجھنا یہ شان بھی نبی علیہ السلام کا ہے اور غیر نبی محتاج ہے اللہ کو پہچاننے میں نبی کا جیسے سارا وجود دیکھنے میں آنکھ کا محتاج ہے۔ ہاتھ وجود کا حصہ ہیں کان وجود کا حصّہ ہیں پاؤں وجود کا حصہ ہیں۔ لیکن سارے کا سارا جسم آنکھ کے آئینے کا محتاج ہے کہ وہ دیکھے کہ سامنے کیا ہے اِسی طرح ساری اُمت محتاج ہوتی ہے۔ نبی علیہ السلام کی۔ نبی علیہ السلام آنکھ ہوتا ہے اُمّت کی۔ وہ آنکھ جو ذاتِ باری کو دیکھتی ہے۔ وجود کا وہ حصّہ جو ذاتِ باری کا کلام سُنتا ہے ہے وجود کا وہ حِصّہ جو اُمّت کا تعلق ذاتِ باری سے قائم کرنے کا سبب بنتا ہے اِس کیفیت اِس حالت کو نبوّت کہتے ہیں۔
تو یہ شان بھی صرف انسان کو ملی اِس لیے کہ وہ امین تھا رُوح باری تعالیٰ کا۔ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ۔ اِس پر مفسرین نے بہت لمبی بحثیں کی ہیں کہ نفخِ رُوح کیا شے ہے۔ اِسے سمجھنے کے لیے پہلے یہ متعین کرنا پڑے گا کہ رُوح کیا ہوتا ہے۔ تو علماء کے مطابق روح کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ مختلف اجزائے بدن کو جب قدرت ایک خاص نسبت سے ملاتی ہے۔ تو اُن کے ملنے سے ایک حدت جسے آجکل کی زبان میں انرجی کہتے ہیں اور علمائے یونان یا جو طب یونانی کے ماہر ہیں وہ اُسے بخارات کا نام دیتے ہیں۔ اُسے انرجی، طاقت یا وہ کیفیت کہہ لیجئے جو اُن اجزاء کے ملنے سے پیدا ہوتی ہے تو انسان کے خون کے ایک ایک ذرّے کے ساتھ اُس کی نس نس میں پہنچتی ہے اور بدن کو شعور اور حرکت عطا کرتی ہے۔ آنکھ دیکھنے لگ جاتی ہے کان سننے لگ جاتا ہے۔ دماغ سوچنے لگ جاتا ہے، دل دھڑکنا شروع کر دیتا ہے۔ ہر ذرّہ ہر عضوِ بدن اپنا اپنا کام شروع کر دیتا ہے۔ اِسے کہتے ہیں رُوحِ حیوانی۔ وہ رُوح جو زندگی کا حیات کا سبب ہے یہ رُوح حیوانی جو ہے ہر ذی رُوح میں موجود ہے اِس میں تمیز نہیں ہے کہ وہ بندر ہے یا ریچھ یہ فرق نہیں ہے کہ وہ حیوان ہے یا انسان وہ درندہ ہے یا چرندہ ہر وہ شے جسے زندگی اِس طرح کی نصیب ہے خواہ وہ مچھر ہے یا مکھی اُس میں یہ کیفیت موجود ہے زندگی کی۔ اِسے روحِ حیوانی یا رُوحِ سفلی کہہ لیں۔
انسان کی فضیلت یہ ہے کہ اِس روحِ حیوانی کے ساتھ اُسے ایک رُوح ملکوتی یا عالمِ اَمر بھی نصیب ہے۔ اُس نفخِ رُوح کو رُوحِ علوی کہتے ہیں یا ملکوتی۔ وہ رُوح علوی کیا شے ہے۔
فرمایا: وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا
یہود کے بڑے بڑے علماء مدینہ منورہ میں تھے اہلِ مکہ اُن کے پاس آدمی دوڑاتے وہ اُنہیں سوال سمجھاتے اور وہ آ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے کہ تُو اگر نبی ہے تو اِس بات سے آگاہ ہو گا۔ اِس بات کا جواب دے گا۔ اُن سوالوں میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بتایئے روح کیا ہے؟ تو اللہ نے اِن کا جواب بذریعہ وحی ارشاد فرمایا: وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ - آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے بارے سوال کرتے ہیں۔ قل الروح من امر ربی - فرمایا کہہ دیجئے۔ رُوح میرے مالک، میرے رب کے اَمر سے ہے۔ اَمر کیا ہے؟ اَمر اللہ کی صفت ہے۔ اَمر تخلیق نہیں ہے۔ اَمر مخلوق نہیں ہے۔ صرف اللہ کی صفت ہے۔ اور رُوح انسانی مخلوق ہے لیکن ایسی مخلوق جو کسی مادے سے کسی جوہر سے کسی نور سے کسی ذرّے سے نہیں بلکہ اُس تجلّی سے تخلیق فرمائی گئی جو اللہ کے اَمر سے ہے۔ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ خود اَمرِ رَبِّی نہیں ہے۔ اَمرِ ربی میں سے ہے۔ رُوح براہِ راست خود اَمرِ ربی نہیں ہے۔ چونکہ اَمرِ ربی تو رب کی صفت ہے اللہ کا کلام اللہ کی صفت ہے۔ اللہ کا حکم، اللہ کا اَمر اللہ کی صفت ہے۔ اللہ کی جیسے ذات قدیم ہے۔ ویسے اُس کی صفات قدیم ہیں۔ ایسی کوئی صفت نہیں ہے اللہ کی جو کبھی نہیں تھی جو پھر اُس نے بنا کر اپنے ساتھ چپکالی۔ یہ اُس کی شان کے خلاف ہے جس طرح اُس کی ذات کی کوئی ابتدا نہیں۔ کوئی انتہا نہیں اُسی طرح اُس کی صفات کی کوئی ابتدا نہیں کوئی انتہا نہیں۔ اُس کی صفات اس کو سزاوار ہیں دوسرا کوئی جس طرح اُس کی ذات میں شریک نہیں ہے اُسی طرح اُس کی صفات میں بھی کوئی شریک نہیں۔ تو رُوح اَمر ربی میں سے ہے۔ صفاتِ امر جو ہے۔ اِن کا عالم ہی الگ ہے۔

اور علمائے حق کے مطابق جہاں دائرہ تخلیق ختم ہو جاتا ہے جہاں مخلوق کی حد ختم ہو جاتی ہے۔ وہاں سے عالم اَمر کی ابتدا ہوتی ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ جس پر عرش جامع بول دیا جاتا ہے۔ اس کے نو حصے ہیں گویا نو عرش ہیں جس کے بارے کہا گیا۔

آں کہ آمد نو فلک معراج او
انبیاء و اولیاء محتاج او

اب نو عرش جو ہیں ان میں سے پہلے عرش کی وسعت اتنی ہے۔ کہ ارض وسما وما فیہا جو ہے اُس کے مقابلے میں ایسا ہی ہے جیسے کسی صحرا میں ایک انگشتری پڑی ہو دوسرا عرش کا حصّہ پہلے سے اس نسبت سے وسیع ہے۔ پھر تیسرا چوتھا علیٰ ہذا القیاس ہر حصّہ جو ہے یا ہر عرش جو ہے وہ پہلے سے اتنا ہی بڑا ہے حتیٰ کہ نواں عرش جو ہے اُس کی وسعت کے سامنے آٹھ عرش اور آسمان و زمین ایسی ہیں جیسے کسی صحرا میں انگشتری۔ دائرہ عالمِ اَمر میں دائروں کی حدود اجسام میں نہیں ہے کیفیات میں ہے پہلا دائرہ جو اُس کی کیفیات ایک جگہ سے شروع ہو کر دوسری جگہ ختم ہوتی ہیں اُس کی وسعت کے سامنے زمین و آسمان اور نو عرش ایسے ہی ہیں جیسے کسی صحرا میں ایک انگشتری پھینک دی جائے اور عالمِ اَمر کے یہ کیفی دائرے حجاباتِ الوہیت تک کم و بیش بیالیس ہیں جن میں سے ہر ایک پہلے کی ساری کائنات سے اپنی وسعت میں اِس طرح سے ہے۔ اگر کوئی خوش نصیب رُوح یہ ساری بلندیاں طے کر کے حجاباتِ الوہیت تک پہنچ جائے تو وہ واپس اپنے گھر پہنچی منازل قرب یا منازل سلوک جو اپنے وطن سے زائد اُس نے حاصل کی وہ وہاں سے آگے چل کر۔

یہ جو کہا جاتا ہے اور بڑی عام سی بات ہے جس کسی کو فنا بقا تک مراقبات ہو جائیں تقریباً ہر کوئی کہہ دیتا ہے سلوک تمام کر لیا۔ یہ سلوک سے ناواقفیت کی دلیل ہے فنا بقا تو سلوک کے حروف ابجد ہیں جس طرح آپ کسی بھی زبان میں الف ب ج پڑھتے ہیں اسی طرح حروفِ تہجی اور حروفِ ابجد ہیں یہ مراقبات فنا فی اللہ اور بقا باللہ تک۔ اِس سے آگے جو شروع ہوتا ہے اُس میں اگر کوئی خوش نصیب نو عرشوں کے منازل طے کرے اور اس کی رُوح عالم اَمر تک یا جسے لامکاں کہا جاتا ہے جہاں مکانیت کا تصور نہیں ہے۔ تو کسی صوفی نے جسے یہ منزل نصیب ہوئی۔ دوسروں کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔

صورتش بر خاک جاں در لامکاں
لامکانِ فوق و ہم سالکاں

اکثر راہِ سلوک کے مسافر اُس کا وہم بھی نہ کر سکیں تو اامکان کے اگر بیالیس کھتی دائرے بھی طے کر جائے تو پھر اپنے گھر میں ہے اِس کی اصل ہی وہاں سے ہے۔ اُس نے اتنا فاصلہ طے کیا جیسے کوئی مسافر صحراؤں، جنگلوں، دُور دراز وادیوں، چوروں اور ڈاکوؤں سے بچ کر، سفر کی صعوبتوں سے بچ کر بخیر و عافیت اپنے گھر پہنچ جائے۔ اگر اُس نے مال و دولت کمانا ہے اگر اُس نے امارت اور شان و شوکت کمانا ہے تو اُسے اِن سے آگے بڑھنا ہوگا۔ اِس سے آگے حجاباتِ الوہیت اِس سے آگے قربِ الٰہی کے منازل بطفیل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بٹتے ہیں بٹتے رہیں گے لیکن یہ بڑی عجیب بات ہے کہ صدیوں بعد ان کا ذکر ہو رہا ہے صدیوں تک پھر نہیں ہو سکے گا۔ انسانی مزاج ہے جب وہ کسی چیز کو کھو بیٹھتا ہے تو اُسے اُس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ عجیب انسانی مزاج ہے ایک شخص کو آپ دیکھتے ہیں وہ پیدا ہی ایسے گھر میں ہوتا ہے جہاں دس دس گاڑیاں کھڑی ہیں اُس کے نزدیک گاڑی کی کوئی اہمیت نہیں ہے لیکن کبھی ایسا وقت آئے کہ اُن کے پاس موٹر نہ رہے تو پھر اُسے احساس ہوتا ہے اِس میں کتنی سہولتیں تھیں۔ ایک شخص کھاتا پیتا پیدا ہوتا ہے۔ اُس کے پاس ملک اور سلطنت ہے کہ ملک کا، حکومت کا سلطنت کا ہونا اُسے کچھ عجیب نہیں لگتا وہ ایک روٹین میں لیتا ہے۔ زندگی کی ایک عام حالت لیتا ہے ایک روٹین لائف کے طور پر لیتا ہے۔ یہ معمولاتِ زندگی میں سے ہے۔ لیکن اگر خدانخواستہ وہ نعمت ضائع ہو جائے۔ اُس سے چھن جائے تو اُسے اندازہ ہوتا ہے۔ صوفیوں کا حال اِس سے زیادہ عجیب تر ہوتا ہے انہیں کوئی روٹین لائف میں بھی نہیں لیتا۔ لوگ ان کی تردید کرنے پر رہتے ہیں اُن کا انکار کرنے پر رہتے ہیں۔ لوگوں کی نظروں میں جھوٹی اَنا ہوتی ہے۔ اپنی بڑائی ہوتی ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ ایک شخص کو اللہ نے یہ نعمت عطا کی ہے تو شاید ہمیں اسے اپنے سے بڑا ماننا پڑے گا۔ اُس ضد میں انکار کرتے رہتے ہیں جب ایسے لوگ چلے جاتے ہیں تو پھر انہیں احساس ہوتا ہے صدیوں تک اُن کی کہی ہوئی باتوں کے حوالے دیتے رہتے ہیں کہ اُس نے یہ فرمایا تھا اور عجیب بات ہے کہ بڑے بڑے بزرگوں پر آج آپ بڑے احترام سے حضرت بایزید بسطامیؒ یا ابوالحسن خرقانیؒ ہوں یہ سارے وہ لوگ ہیں جنہیں شہروں سے نکال دیا گیا اور ان پر کفر کے فتوے لگائے گئے یہ زندیق ہیں یہ بے دین ہیں۔ یہ مسلمان مسلمان ہی نہیں۔ یہ نیا اسلام گھڑ رہے ہیں۔ اور ان کے وصال شہروں سے باہر آبادیوں سے باہر جنگلوں میں ہوئے۔ انہیں شہر بدر کر دیا گیا۔ حکومتوں نے قانوناً ان کا شہروں میں رہنا منع کر دیا۔ علماء نے فتوے لگائے لوگوں نے تردید کی اور عجیب بات ہے کہ وہ دُنیا میں نہ رہے تو صدیاں بیت گئیں لوگ اُن کی قبروں پر بیٹھے ہیں صوفیائے کرام میں بہت کم نام ایسے ملتے ہیں جن کی زندگی میں کسی نے حقیقی طور پر اُن سے استفادہ کیا ہو۔ بہت کم۔ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو شیخ اکبر کہتے ہیں۔ لیکن زندگی میں کیا ابھی تک ایک طبقہ ایسا موجود ہے جو اُن پر کفر کا فتویٰ لگاتا ہے۔ آج بھی ایک ایسا بہت بڑا طبقہ علماء کا موجود ہے جو ان کا مسلمان ہونا تک گوارا نہیں کرتا حالانکہ وہ ایسے عجیب آدمی تھے۔ اتنی وسیع نظر اللہ نے اُس شخص کو دی تھی اُس نے اُس دَور میں ایک چھوٹا سا رسالہ لکھا تھا۔ ما لا بُدَّ قبل القیامہ۔ وہ عجائبات جو قیامت سے پہلے ضرور ظاہر ہوں گے۔ کشفاً اُس بندے نے آج کی باتیں اُس رسالے میں لکھی تھیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ جو کہا جاتا ہے سورج سوا نیزے پر آئے گا یہ تو قیامت سے پہلے زمین پر روشنی سوا نیزے پر ٹنگی ہوئی نظر آنے گی لوگوں کو۔ یہ جو آج آپ کی سٹریٹ لائٹس ہیں یہ آج سے سَت سو برس پہلے وہ شخص دیکھ کر لکھتا ہے۔ آج کے یہ جو ہوائی جہاز اور راکٹ کی سواری ہے اِس کے متعلق رسالے میں وہ لکھتے ہیں کہ ایسی سواریاں ایجاد ہوں گی جو مہینوں کی مسافت پلوں میں کریں گی۔ اور وہ کھانے پینے والی یعنی ذی رُوح نہیں ہوں گی۔ اُونٹ گھوڑے کی طرح نہیں ہوں گی۔

کیسی ہوں گی یہ رب جانتا ہے لیکن یہ ہوگا قیامت سے پہلے۔ توحات مکیہ جب انہوں نے لکھی تو اُس وقت چھاپہ تو نہیں تھا۔ قلم سے لکھی اور لکھنے کے بعد اُسے چھت پر پھینک دیا۔ برسوں پڑی رہی وہاں بارشیں ہوئیں طوفان آئے برس ہا برس بعد کسی نے چھت پر مرمت کے لیے یا کسی غرض سے جب اُوپر گئے تھے تو وہاں پر پڑی تھی اُٹھا لائے لیکن اُس کا کوئی حرف تک میلا نہیں ہوا اُس کے باوجود اُس کتاب سمیت آج بھی علمائے مسلمان یہ ماننے کو تیار نہیں۔ صوفی انہیں شیخ اکبر یا بزرگ صوفی کہتے ہیں۔

بہرحال یہ ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ کیونکہ انسان اپنی اَنا میں گرفتار ہو کر یہ کرتا رہتا ہے اور جب یہ لوگ گزر جاتے ہیں اور جب یہ باتیں بتانے والا سامنے کوئی نہیں ہوتا تو پھر یہ صورت تلاش کرنے کے لیے اُن کی تصنیفات اُن کی کتابیں اُن کے رسالے اُن کے خطوط پڑھتے ہیں۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر کفر کا فتویٰ لگا۔ جیل گئے قید ہوئے یہ سارے تماشے ہوئے۔ اَب اُن کے خطوط جو ہیں وہ بھی مستند ہیں وہ بھی بجائے خود ایک سند ہیں۔ اُس کی ذات کو اُس وقت کے لوگوں نے سند کیوں نہ مانا۔ یہی اصل مسئلہ ہوتا ہے۔ شاید یہ لوگوں کی اپنے نصیب کی بات ہوتی ہے۔ کہ ان نعمتوں سے اللہ کریم بطور انعام نوازا کرتے ہیں یہ اتفاق نہیں ہوتی۔ ان لوگوں سے فائدہ اُٹھانا یہ محض ذاتِ باری کا انعام ہوتا ہے اور انہی لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ جن پر وہ منعم حقیقی انعام فرماتا ہے جنہیں انعام نہیں ملتا اپنے محض عمل کا اَجر بھی ملتا ہے وہ اِن لوگوں تک نہیں پہنچ پاتے حصولِ فیض کے لیے نہیں پہنچتے۔ گزرنے کے بعد حوالے تلاش کرنے کے لیے پہنچ جاتے ہیں تو یہ ایسی باتیں ہیں جو صدیوں بعد شاید اللہ کریم نے کبھی کسی کو توفیق دی اور شاید ایسے لوگ پھر صدیوں بعد پیدا ہوں۔

رُوح جو اُس تجلی سے پیدا کی گئی جو عالمِ امر کی ہے اس لیے اس میں یہ کمال ہے کہ اس کی زندگی کی کوئی حد نہیں ہے۔ اس کی اصل جو ہے وہ محدود نہیں ہے لامحدود ہے۔ یہ جب انسانی بدن کے ساتھ وابستہ ہوئی تو اس نے انسانی زندگی کو لامحدود کر دیا۔ فرشتہ سراپا نیکی ہے اُس کو آزمائش میں ڈالا ہی نہ گیا۔ شیطان کو کو آزمائش میں ڈالا گیا لیکن اُس میں نفخِ رُوح نہیں ہے۔ نفخِ روح نہ ہونے کا نتیجہ کیا نکلا قرآنِ حکیم سارا دیکھ جائیے جنات کے ساتھ گناہ پر عذاب کی وعید ہے۔ نیکی پر جنت کی بشارت نہیں ہے۔ پورے قرآنِ حکیم میں جنات کے ساتھ نیکی پر جنت کا وعدہ نہیں ہے صرف یہ کہہ دیا گیا ہے یجرکم من عذاب الیم۔ اگر اطاعت کرو گے تو عذاب الیم سے بچ جاؤ گے عذاب میں گرفتار نہیں کیے جاؤ گے اِس لیے علماء فرماتے ہیں کہ جنات اپنا حساب دے کر فنا ہو جائیں گے جو بچ گئے وہ فنا ہو جائیں گے جو عذاب میں گرفتار ہو گئے وہ اپنا عذاب بُھگتیں گے اور اپنی سزا بھگتنے کے بعد فنا ہو جائیں گے۔

انسانوں کی بحث قرآن حکیم میں پڑھیں تو جہاں گناہ کے ساتھ عذاب کی بات ہے وہاں نیک عمل کے ساتھ جنت کی بشارت موجود ہے ہر جگہ جہاں جہنم کا تذکرہ ہے اُس کے مقابلے میں جنت کا ذکر موجود ہے جنات کا حال سورۃ جن میں پڑھیئے جہنم کا وعدہ موجود ہے خطا کرو گے تو جہنم میں جاؤ گے لیکن اگر نیکی کرو گے یجرکم من عذاب الیم تو تم اُس عذاب سے بچ جاؤ گے۔ سورۃ رحمٰن میں صرف ایک آیت ایسی ہے جس میں جنت کی تخلیق حوروں کے متعلق بات کرتے ہوئے اللہ کریم نے فرمایا لم یطمثھن انس قبلھم ولا جان۔ کہ جنتیوں سے پہلے اُنہیں کسی جن یا کسی انسان نے مَس نہیں کیا ہوگا۔ علمائے حق فرماتے ہیں کہ یہ اس اعتبار سے ہے کہ دُنیا میں انسانوں کو جن مَس کرتے ہیں بعض خواتین کو مَس کر سکتے ہیں۔ اگر صرف یہ کہا جاتا کہ انہیں کسی انسان نے مَس نہیں کیا تو شاید یہ شبہ ہوتا کہ کسی جن نے مَس کیا ہو کیونکہ ایک روٹین زندگی کا ایک عمل جو انسانوں کے سامنے ہے تو اللہ نے اُس کی نفی کر دی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا

کہ جنات جنت میں جائیں گے کیونکہ انسانوں کے ساتھ جنت کا واضح وعدہ موجود ہے۔ اور انہیں جہنم کے عذاب سے تو ڈرایا گیا لیکن نیکی اور اطاعت پر نجات کا وعدہ کیا گیا اُس عذاب سے نجات۔

یوجرکم من عذاب الیم۔ اُنہیں دردناک عذاب سے نجات دے دے گا۔ اُس سے بچالے گا تو جنت میں اس لیے نہیں جائیں گے کہ اِن کی زندگی میں وہ دوام ہے ہی نہیں جو انسانوں کی زندگی میں ہے۔

اب لے دے کے ایک مخلوق رہ گئی جسے بشر بھی کہا ہے

۔ اس لیے

جو انبیاء کی بشریت کا انکار کیا جاتا ہے۔ یہ شرعاً جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جو بشر نہیں وہ نبی بھی نہیں ہو سکتا۔ نبوت ملی ہی نوعِ بشر کو ہے۔ جس کی آپ بشریت کا انکار کریں گے مشرکین نے انکار کیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو ہیں اور بشر بھی نہیں ہو سکتا ہم انکار کرتے ہیں کہ آپ نبی تو ہیں بشر نہیں ہو سکتے انکار اپنی جگہ رہتا ہے۔ صرف ایک نوع بدل جاتی ہے۔ انہوں نے بشریت کا اقرار کیا نبوت کا انکار کیا ہم نبوت کا اقرار کرتے ہیں۔ بشریت کا انکار کرتے ہیں یہ سراسر غلط ہے اصل بات یہ ہے کہ ہم خود کو بشر تسلیم کر کے انکار کرتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں جیسے ہم ہیں بشر ایسا ہوتا ہے اپنے اُوپر قیاس کر کے ہم انکار کرتے ہیں حالانکہ حق یہ ہے کہ ہم تو اپنی بشریت بھی کھو چکے ہیں انسانیت تو بہت دُور کی بات تھی بہت بلندی کی بات تھی ہم بشریت بھی کھو چکے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بشر انتہائے بشر ہیں حدِ بشریت میں یہ بہت بڑا فاصلہ ہے۔ بہرحال ضمنی طور پر بات آگئی اس لیے اس کا انکار جائز نہیں ہے یہ الگ بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت بھی بے مثل اور بے مثال ہے کوئی دوسرا ایسا بشر نہیں ہے۔

اللہ کریم نے وہ روح جو عالم اُمر کی تجلی سے تخلیق فرمائی وہ ڈال دی انسان کے وجود میں۔ صاحب تفسیر مظہری اس کے متعلق

قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ یہ رُوح ہے جو قلب سے حیات کو شروع کرتی ہے جس کا سب سے پہلا ورود ہی قلب میں ہوتا ہے۔ اور پھر پانچ مقامات پر نظر آتی ہے۔ قلب، سری، رُوح خفی اور اخفاء۔ وہ فرماتے ہیں انسان حقیقتاً دس چیزوں سے مرکب ہے۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی لکھتے ہیں کہ انسان دس چیزوں کا مرکب ہے۔ قاضی صاحب بھی لکھتے ہیں پانچ۔ آگ، مٹی، ہوا اور پانی اور پانچواں نفس یا رُوحِ حیوانی جو ان چار عناصر کے ملنے سے بنتا ہے جسے آپ آج کی اصطلاح یا زبان میں انرجی کہتے ہیں۔ اور پانچ وہ لطائف جو عالم اُمر کے ہیں جو اُس رُوح سے جو اُمرِ ربی سے ہیں اُس کے ورود سے روشن ہوتے ہیں اور جو اُس کے رہنے کا ٹھکانہ بنتے ہیں جو قوتیں اُس کے آنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ قلب رُوح سری خفی اور اخفاء۔ یہ دس چیزیں مل کر انسان بنتا ہے۔ اس کی استعداد تو ہر انسان لے کر آتا ہے یہی ارشاد ہے حدیث میں کل مولود یولد علی فطرۃ۔ ہر پیدا ہونے والا فطری خصوصیات لے کر پیدا ہوتا ہے۔ ثم ابواہ یہودانہ اولمجسانہ اوکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر اُس کے والدین یا اُس کا معاشرہ یا اُس کا ماحول کسی کو یہودی بنا دیتا ہے کسی کو مجوسی۔ اُن سے اثر قبول کر کے وہ کوئی راستہ اختیار کر لیتا ہے ورنہ اُس میں استعداد موجود ہوتی ہے تو سجدہ انسانی وجود کو نہیں کیا گیا۔ سجدہ انسان میں جو عناصر کے ملنے سے نفس پیدا ہُوا رُوح سفلی پیدا ہُوئی اُسے نہیں کیا گیا فرمایا گیا۔

جب مَیں اپنی رُوح یا عالم اُمر کی تجلی سے پیدا کی گئی جو صفت ہے حیات کی یہ مَیں اُس میں پھُونک دُوں تو تمہیں سجدہ کرنا ہوگا۔ تو سجدہ اُس رُوح کو کیا گیا عزت و احترام اُس روح کے لیے ہے انسانیت کی تکمیل اُس رُوح سے ہوتی ہے جو تجلی عالم اُمر سے ہے اور اُس کی حیات قلب سے شروع ہوتی ہے۔

اب اگر نورِ ایمان ہی جاتا رہے۔ قلب ہی جاتا رہے قلب کی

حیات کا کم از کم حال یہ ہے کہ اُسے ایمان نصیب ہو کم از کم جو قلب کی حیات کی دلیل ہے وہ ایمان ہے۔ عمل صالح اُس کی طاقت ہے جیسے حیات ایک نوزائیدہ بچے میں بھی ہے۔ حیات ایک طاقتور جوان میں بھی ہے لیکن بچپن اور جوانی کی طاقتوں میں جتنا فاصلہ ہے۔ اتنا ہی فاصلہ ایمان لانے کے بعد عمل صالح سے بنتا ہے۔ عمل صالح اُسے قوت دیتا ہے اور محض ایمان ابتدائے حیات ہے۔ لیکن اگر ایمان پر بھی نہ رہے تو اُس میں جب تک وہ دُنیا میں ہے استعداد تو رہتی ہے اُس عالم اَمر کی تجلّی کو دوبارہ پانے کی لیکن وہ اُس کے وجود کا حصّہ نہیں رہتی وہ اُس سے سلب ہو جاتی ہے اور بعض لوگ پھر اتنے جرائم کرتے ہیں کہ اُن کے قلوب سے وہ استعداد نفی کر دی جاتی ہے۔ وہ دوبارہ اِس تجلّی کو پانے کے قابل ہی نہیں رہتے جن کا تذکرہ قرآن نے کیا۔ ختم اللہ علی قلوبھم اُن کے دلوں پر مہر کر دی گئی۔ اِس مہر سے یہ حیوانی زندگی ختم نہیں ہوتی بلکہ وہ تجلّی وہ نور نفخ روح جس کے بارے فرمایا گیا وہ رُوح جو عالم اَمر سے ہے اُس کے نور کا دوبارہ اُس قلب میں آنا محال ہو جاتا ہے۔ اِس کے گناہوں کی وجہ سے قلب سے وہ استعداد زائل ہو جاتی ہے اِس لیے فرمایا

ءَ انذرتھم ام لم تنذرھم لا یومنون

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم انہیں دعوت دیں نہ دیں آپؐ انہیں عذاب ثواب کے متعلق بتائیں نہ بتائیں انہیں کفر اور برائی کے نتائج سے آگاہ کریں نہ کریں ان کے لیے برابر ہے کیوں ھم لا یومنون یہ ایمان نہیں لائیں گے کیوں نہیں لائیں گے۔ ختم اللہ علی قلوبھم اللہ نے اِن کے دِلوں پر مہر کر دی۔ انہوں نے اللہ سے تعلق توڑنے میں یہ اتنے دور تک چلے گئے کہ اب واپسی کی استعداد ہی قلوب کو قبول کرنے کی جو تھی وہ اللہ نے سلب کر لی۔ اور اگر یہ نور ایمان سے نصیب ہوتی ہے تو ایمان نصیب ہوتا ہے انبیاء علیہ السلام کی معرفت تو اِس کا مطلب ہُوا کہ اس حیات کا خزینہ اور منبع نبی علیہ السلام کی ذات ہُوا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی علیہ السلام کے سامنے براہِ راست جو بندہ گیا وہ ایک آن میں صحابی بن گیا ایک لمحے میں وہ سارے منازل اُس نے طے کر لیے جو کہ کوئی نبوت کے بعد طے کر سکتا ہے اِس لیے کہ وہ براہِ راست حیات سے منسلک ہے جیسے آگ میں لوہے کو ڈال دیں تو بغیر کسی دیر کے وہ خود آگ بن جاتا ہے وہی حدت وہی گرمی وہی سُرخی وہی رنگ وہ سب کچھ اُس میں منتقل ہو جاتا ہے کیونکہ وہ ساری کی ساری قوت کا خزانہ جہاں تھا تو وہ جتنا دُور ہو گا تو اتنی کم تپش اُس میں آئے گی اُس میں بھی آئے گی روشنی تپش بھی لیکن اتنی گھٹتی چلی جائے گی۔ اِس طرح جنہیں براہِ راست نبی علیہ السلام کی صحبت نصیب ہوئی وہ اُس روشنی اُس حدت میں نقطہائے کمال کو پہنچ گیا جو جتنا جتنا دُور رہا وہ اتنا اتنا مدارج میں کم ہوتا چلا گیا۔

اور یہ سلاسل تصوف جو ہیں اِن کا حاصل بھی یہ ہے کہ اُن لوگوں کی مجالس میں بیٹھ کر جیسے صحابہ سے تابعین نے تابعین نے تبع تابعین اُن سے اُن کے شاگردوں نے یہ نور حاصل کیا۔ بعینہٖ اُس حدت کو براہِ راست قلب سے قبول کیا گیا۔ دوسرا طریقہ ہے کہ تعلیمات سُن کر مان لیا جائے ایمان پیدا ہو گیا۔ اُس رُوح کا اتنا عنصر وجود میں آ گیا جس سے دل میں ایمان ہو روشنی ہو لیکن وہ تعلق کمزور رہا اور اِس طرح بیٹھ کر دل میں وہ روشنی اگر کسی کو نصیب ہوئی تو وہ بہت طاقتور ہو گیا بہت مضبوط ہو گیا۔ حتیٰ کہ اللہ اگر عطا کرے تو پھر اُن حجابات کو پھاڑ کر رُوح کا تعلق واپس آسمانوں سے پھر عرش سے پھر عالم اَمر سے استوار ہوتا چلا گیا اور اِس حیات میں زمین پر بیٹھے ہوئے اپنا تعلق پھر سے جیسے کوئی مُسافر دُور دراز سے واپس گھر آ جائے تو زمین پر رہتا بستا ہُوا آدمی عالم اَمر میں سانس لینے لگا۔ آنے جانے لگا اپنا رشتہ استوار کر لیا اور اِس کی دلیل عملی زندگی میں اللہ کی اطاعت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی کامل اور غیر مشروط اطاعت کا نصیب ہو جاتا ہے۔

آخری بات جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جو میں سمجھ سکا ہوں اگر یہ عالم اَمر کی رُوح کُلّی طور پر کسی قلب سے منفی ہو گئی تو وہ جہنّم جائے گا۔ اِسی لیے آپ نے حدیث میں پڑھا اور سُنا ہو گا کہ جس دل میں رائی برابر ایمان ہو گا جہنّم نہیں جائے گا۔ ادنیٰ تعلق بھی اُس رُوح کا جو عالم اَمر کی ہے کیونکہ انسانی نفس یا انسانی وجود تو جہنّم جا سکتا ہے لیکن وہ تجلّی جو عالم اَمر سے ہے اُس کا جہنّم جانا نہیں بنتا اور جو جہنّم جائیں گے اُن میں وہ عنصر نہیں ہو گا اسی لیے دوزخیوں کی شکل انسانی نہیں ہو گی چہرہ انسانی نہیں ہو گا۔ بات انسانوں کی طرح نہیں کر سکیں گے۔ چیخنا چلّانا جانوروں اور درندوں جیسی شکل جس جانور جس درندے جس حیوان کی خصوصیت اپنی زندگی میں اپنائے گا۔ خنزیر، ریچھ، بندر، سانپ اژدھا اُسی شکل میں وہ جہنّم میں داخل ہو گا۔ اور اُس کی رُوح اُس سے منفی کر دی ہے اُس میں نہیں ہو گا اگر اُس رُوح کا کوئی عنصر کسی وجود میں ہو تو اُس کے جہنّم کے بچ جانے کی ضمانت ہے۔

اِس لیے یہ قربِ الٰہی کا مظہر ہیں مراقبات اور مقامات تصوّف یہ اللہ کے قرب کی دلیل ہیں۔ جنّت فی نفسہٖ مطلوب نہیں ہے۔ جنّت اللہ تو نہیں، جنّت غیر اللہ ہے مخلوق ہے۔ اللہ کی مخلوق مطلوب کیوں ہے مخلوق کے لیے دُعا کیوں کرو، مخلوق کے لیے محنت کیوں کرو اِس لیے کہ وہ ایسی مخلوق ہے جو اللہ کی رضامندی کی سند ہے یعنی اُس کا ملنا دلیل ہے اِس بات کا کہ اللہ کریم اِس پر راضی ہیں اگر اُس بات کی سند نہ ہو تو پھر جنت کے لیے دُعا کرنا بھی فضول ہے۔ جنّت کے لیے محنت کرنا بھی فضول ہے کہ جنّت تو اللہ نہیں ہے غیر اللہ ہے غیر اللہ کی طلب کیسی لیکن وہ اللہ کی رضامندی کا سرٹیفکیٹ اور دلیل ہے اِس لیے مطلوب ہے۔ اِسی طرح یہ مراقبات تصوّف اور منازل سلوک یہ مظہر ہیں قربِ الٰہی کے۔ دلیل ہیں اللہ کے قرب کی۔ جس پر جتنا اللہ مہربان ہوتا ہے اُتنی رفعتیں اتنی بلندیاں اتنی عظمتیں اُسے عطا فرماتا ہے۔

اِس لیے مطلوب ہے بلکہ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ عالمِ بالا کے مراقبات نصیب ہوں تو نوافل پڑھنے سے وہ مراقبات ہوں تو نوافل پڑھنے سے وہ مراقبات کرنا زیادہ باعثِ برکت اور زیادہ باعثِ ثواب ہوتا ہے۔ فرائض کے بعد جو سب سے زیادہ رحمت وارد ہوتی ہے وہ مراقبات میں بیٹھے رہنے سے ہوتی ہے۔ نوافل سے زیادہ اُس میں درجہ ہوتا ہے اِس لیے کہ وہ خود دلیل ہیں۔ قربِ الٰہی کی تجلّیاتِ باری کی رضائے باری کی۔

تو انسانی عظمت جو ہے اُس کے ساتھ ٹکرا کر شیطان ہمیشہ کی سعادت سے محروم ہو گیا اللہ نے فرمایا فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سٰجِدِیْنَ۔ جب مَیں اُسے دُرست کر لوں اور اُس میں اپنی رُوح پھونک دوں تو جب رُوح جو عالم اَمر سے متعلق ہے من روحی اپنی رُوح اُسے اللہ نے اپنی ذات سے چونکہ اللہ کی صفت کی تجلّی سے اُس کی تخلیق ہوئی کیسی ہوئی کیا ہوئی اِس کا کوئی جواب نہیں دے سکتا نہ کوئی سمجھ سکتا ہے نہ کوئی سمجھا سکتا ہے، نہ کوئی جان سکتا ہے اور اتنا جاننا بھی، یہ بھی اُس کی بہت بڑی عطا ہے۔ یہ کسی مادے سے کسی جوہر سے کسی عنصر سے کسی ذرّے سے نہیں بنائی گئی۔ یہ باعثِ شرفِ انسانیت ہے اور اِس کا موجود ہونا انسان کو انسان اگر اُس کی نفی ہو جائے تو جہنّم یا کفر کو اگر رکھ دو انسان انسان نہیں رہتا حیوان ہو جاتا ہے اپنی جبلت کے تابع چلا جاتا ہے۔ جس طرح جانور کھانے پینے پہ لپکتا ہے۔ جس طرح جانور صرف آرام کی سوچتا ہے جس طرح جانور صرف جنس کی سوچتا ہے اُسی طرح انسانی زندگی بھی اُسی روٹین میں چلی جاتی ہے آپ سارے عالم کفر کا مشاہدہ کر لیجیے، بنظرِ غور دیکھ لیجیے سوائے حیوانی زندگی کے آپ کو وہاں کچھ نظر نہیں آئے گا۔ انسانی رشتوں کا وجود نظر نہیں آئے گا۔ انسانی عظمت کی کوئی جھلک نظر نہیں آئے گی۔ جہاں اِس کی نفی ہو گئی انسان انسانیت سے محروم ہو گیا اور وہ

ایک عام حیوان کی سطح پر چلا گیا جو محض کھانا پینا اور اپنی نسل بڑھانا جانتا ہے۔ اِس کے علاوہ اُسے کوئی احساس نہیں ہے کہ غلط کھا رہا ہوں، صحیح کھا رہا ہوں، گندہ کھا رہا ہوں، صاف کھا رہا ہوں کام صحیح کر رہا ہوں غلط کر رہا ہوں سٹیٹس، احترام کوئی قدر حیوانی زندگی میں نہیں ہوتی اِسی طرح کافر سارے معاشرے میں انسانی اقدار کبھی بھی نہیں ہوتی تاریخ کے کسی دَور میں نہ پہلے تھیں اور نہ آج ہیں۔ آج کا جدید ترقی یافتہ معاشرہ بھی جو نورِ ایمان سے محروم ہے انسانی اقدار سے ویسا ہی محروم ہے جیسا جاہلوں کا معاشرہ انسانی اقدار سے محروم رہا۔

تو یہ جسے آپ نیکی کہتے ہیں یہ جسے آپ عبادت کہتے ہیں یہ جسے آپ ورع و تقویٰ کہتے ہیں یہ جسے آپ بھلائی یا شرافت کہتے ہیں یہ آتی ہی اِس رُوح کے ساتھ ہیں حیاتِ قلبی کے ساتھ وارد ہوتی ہیں جتنا جتنا اِس رُوح کا تعلق قلب سے مضبوط ہوتا ہے جتنا جتنا قلبِ انسانی منور ہوتا چلا جاتا ہے۔ اتنی اتنی اقدار کی اہمیت اُس پر وارد ہوتی جاتی ہے اور اتنا اتنا وہ سنبھل کر انسان بنتا چلا جاتا ہے اِس کا نفی ہو جانا انسانیت کے منفی ہو جانے کی دلیل ہے۔

شیطان نے اِس کی عظمت کا انکار کیا فسجد الملٰئکۃُ کلھم اجمعون ٥ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ الا ابلیس ابلیس نے نہیں کیا کیونکہ یہ فرشتوں میں رہتا تھا۔ اَبٰی اَنْ یَّکُوْنَ مع السّٰجِدِیْنَ ۔ اُس نے کہا مَیں اِس کو سجدہ نہیں کرتا شیطان کی محرومی کا سبب یہ بنا۔

اللہ کریم فرماتے ہیں پہلے پارے میں سورۃ بقرہ میں اَبٰی وستکبرا وکان من الکٰفرین۔ شیطان نے انکار کیا تکبّر کیا اور وہ تھا ہی کافروں میں سے اَب اِس کو بدلنے کے لیے ہمارے جو دوست ترجمہ کرتے ہیں وہ کہتے ہیں۔ ہو گیا کافر جب وہاں ماضی کا صیغہ استعمال ہُوا ہے تو کیوں نہیں اُسے ماضی رہنے دیتے۔ شاید یہ بات سمجھ میں نہیں آتی عام آدمی کہ اِس لیے اُسے ہو گیا سے بدلتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ اللہ کریم نے یہ بتایا کہ تھا تو کافر ہی علمِ الٰہی میں تو یہ کافر تھا اِس لیے کہ اللہ کو پتہ تھا کہ یہ ساری محنت ساری عبادت سارے سجدے ساری ریاضت اپنی بڑائی کے لیے کر رہا ہے خود کو پارسا بنانے کے لیے کر رہا ہے۔ خود کو نیک منوانے کے لیے کر رہا ہے میری عظمت کا احساس اِسے نہیں ہے تو فرمایا مجھے پتہ تھا۔ تھا ہی کافر لیکن جب تک اُس کا کفر کُھلا نہیں تب تک مَیں نے اُسے سزا نہیں دی اگر آپ کو کوئی شخص یہ بتا دے کہ یہ شخص قاتل ہے قتل کرے گا تو آپ یقیناً کہیں گے جب کرے گا تو دیکھی جائے گی تو آپ اِس بات پہ اِسے سولی لٹکاتے ہیں پکی دلیل ہو یقیناً یہ قتل کرے گا تو اُس پر اُسے سزائے موت تو نہیں دی جاتی۔

اب وہ سوال آ گیا جو لوگ پوچھتے تھے ایک بڑے کامل ولی اللہ کے ساتھ رہ کر مراقبات حاصل کرتے ہیں انتہائی بلند مقامات تک پہنچتے ہیں پھر وہ ضائع ہو جاتے ہیں پھر وہ سلاسل سے خارج ہو جاتے ہیں اُن کی وہ کیفیات چلی جاتی ہیں تو اگر اُن میں اُن کیفیات کے رکھنے کی استعداد نہیں تھی انہیں وہ نصیب کیوں ہوئیں جس طرح شیطان کو بلندیاں نصیب ہوتی رہیں عبادات پر اِسی طرح اہلِ اللہ کے ساتھ بھی جو لوگ اپنی بڑائی کی طلب پہ اپنے آپ کو بڑا بنانے کی غرض سے لگ جاتے ہیں اُنہیں وہ کیفیات وقتی اور لمحاتی طور پر آتی رہتی ہیں مراقبات بھی ہوتے ہیں منازل سلوک بھی ہوتی رہتی ہیں لیکن جس طرح شیطان کا بھانڈا پھوٹ گیا آخر اُن کا بھانڈا پھوٹ جاتا ہے اور سب کچھ ضائع ہو جاتا ہے اِس لیے ایسے لوگوں کے پاس محض اللہ کی بڑائی کو سمجھنے کا شعور حاصل کرنے کے لیے آنا چاہیئے اپنے آپ کو بڑا بنانے کے لیے نہیں اور آپ دیکھ لیں گے جتنے لوگ ضائع ہوتے ہیں اُن میں یہی شیطانی عنصر آ جاتا ہے کہ مَیں بہت بڑا آدمی ہوں تو میرے خیال

میں یہ بہت بڑا ایک سوال سمجھا جاتا تھا۔ ضمناً اس میں آ گیا تو میں نے عرض کر دیا اس لیے نہیں کہ جو لوگ اس کا شکار ہوئے اس لیے کہ اللہ کرے کوئی اس کا شکار نہ ہو مصیبت سے بچنے کے لیے بیماری سے بچنے کے لیے، کسی دکھ سے بچنے کے لیے اس کا جاننا بہت بڑا ممد و معاون ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ نے بار بار دوزخ کا اس کے عذابوں کا تذکرہ فرمایا کہ لوگ جانتے ہوں گے تو بچنے کے لیے کوشش بھی کریں گے تو اس لیے میں نے عرض کیا کہ یہ بھی اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ آپ کسی بزرگ کے پاس کسی ولی کے پاس کسی شیخ کے پاس بیٹھیں اور آپ کو مراقبات ہو گئے منازل سلوک ہو گئے تو یہ یاد رکھو کہ اگر ان سب کے حصول سے بھی اپنی بڑائی مراد ہے تو پھر خطرہ ہے ان کے جاتے ہوئے کوئی دیر نہیں لگے گی بلکہ انسان الٹا مجرم کہلائے گا۔ کہ اپنی بڑائی کے لیے اس شے کو استعمال کیا جو اللہ کی بڑائی کے اظہار کا ذریعہ تھی۔ اس لیے آپ نے دیکھا ہو گا تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجئے۔

مرتد شریعت کی طرح مرتد طریقت کا فر تو نہیں ہوتا۔ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں مرتد طریقت کا فر تو نہیں ہو جاتا لیکن مرتے کفر ہی پر ہیں۔ جب طریقت سے کوئی رد ہوتا ہے تو اللہ کی شان بچا کر ایمان بھی دنیا سے نہیں لے جاتا۔ اگرچہ یہ ارتداد کفر نہیں ہے لیکن ایمان کو باقی رکھنے کی صلاحیت منفی ہو جاتی ہے رفتہ رفتہ وہ کافر ہو کے مرتا ہے۔

قرآن حکیم نے کہا نا وَمن نقص فانمّا ینقس علی نفسہ۔ آپ کے ساتھ معاہدہ بیعت کر کے جس نے توڑا اس نے اپنے آپ کو توڑا وَمن نَقَضَ جس نے توڑا فانمَا ینقُضَ علی نفسہ اس کی وہ ٹوٹ پھوٹ اس کی وہ اپنی ذات پر پڑی اس نے خود کو توڑ پھوڑ دیا تباہ کر دیا وہ خود باقی نہ رہا۔ تو یہ چند گزارشات تھیں جو انسانی عظمت پر دلالت کرتی ہیں۔ انسان کو انسانیت نصیب ہی اس روح کی وجہ سے ہے جو اللہ کی ذات کے نفخ سے تعلق رکھتی ہے جو عالم امر کی تجلی سے ہے اور قرب الٰہی کی بنیاد بھی وہی روح ہے اگر خدا نہ کرے کسی سے اس کی نفی ہو جائے تو وہ انسان انسان نہیں رہتا بلکہ قرآن کی اصطلاح میں اولئک کالانعام وہ عام چارپاؤں کی طرح عام حیوانوں کی طرح ہو جاتی ہے۔

فرمایا بل ھم اضل بلکہ وہ ان سے گئے گزرے کہ عام حیوان تو تخلیقی طور پر حیوان تخلیق ہوئے اور یہ شرف انسانی ضائع کر کے وہاں گیا اللہ کریم ہمیں سمجھ کے ساتھ توفیق عمل عطا فرمائے اور ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائے۔

وآخر دعونا ان الحمدللہ رب العلمین

(دارالعرفان ۲۲ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ)

بقیہ: ظلمت سے روشنی کی طرف

آپ کو مسلمان ثابت کریں اور اس میں مصیبت یہ ہے کہ میں کہتا ہوں یہ ہو جائیں میں بھی ہو جاؤں گا۔ آپ کہتے ہیں ذرہ مولوی صاحب بن جائیں پھر ہم بھی ہو جاؤں گا اور ہوتا کوئی بھی نہیں۔ حق یہ ہے کہ دوسروں کو نہ دیکھو خود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں تک پہنچاؤ۔ دوسروں کو ان کی تقدیر کے سپرد کر دو ہم ان کے لیے آپ ان کے لیے دعا کر سکتے ہو انہیں بلا سکتے ہو بلا سکتے ہو آواز دے سکتے ہو لیکن رسہ باندھ کر کھینچ نہیں سکتے کم از کم اپنی زندگی میں یہ کام تو کر گزرو کہ اپنے آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں تک لے جاؤ یہ بھی بڑا کام ہے یہ چھوٹا کام نہیں ہے یہ بھی بہت بڑا کام ہے اور اگر ہم اس کوشش پر متفق ہو جائیں تو اپنے اپنے وجود کو لے کر جانا ساری قوم کے لیے کتنا آسان ہو گا اور کتنی جلدی ہم سارے پہنچ جائیں گے اور اگر ہم اس راستے پہ نہیں چلیں گے تو ایک دوسرے کو کھینچتے کھینچتے وقت بیت جائے گا اور کوئی بھی نہیں پہنچے گا۔

ظلمت سے روشنی کی طرف

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ الٓرٰ ○ کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰہُ اِلَیۡکَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ○
بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ اِلٰی صِرَاطِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ ○ اللّٰہِ الَّذِیۡ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ
وَوَیۡلٌ لِّلۡکٰفِرِیۡنَ مِنۡ عَذَابٍ شَدِیۡدِ ○ الَّذِیۡنَ یَسۡتَحِبُّوۡنَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا عَلَی الۡاٰخِرَۃِ
وَیَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَیَبۡغُوۡنَہَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِکَ فِیۡ ضَلٰلٍۭ بَعِیۡدٍ ○

سورۃ ابراہیم شروع ہوتی ہے (تیرھواں پارہ)

مذہب کی ضرورت اہمیت افادیت۔ کہاں سے حاصل ہو گا کون ایسا ہے جو بتا سکے یا جو یہ ساری باتیں واضح انداز میں بیان فرما دے سب سے عجیب بات قرآنِ حکیم کا یہ اندازِ بیان ہے جو حروف ت کے بعد قرآنِ حکیم کو لفظِ کتاب سے پکارتا ہے۔ کتاب یُوں تو ہر اس ورق کو کہتے ہیں جس پر کچھ لکھا ہُوا ہو پھر چند اوراق کو یکجا جمع کر دینا کسی مضمون کو سمو دینا اُس میں لیکن کتاب کا ایک مقصد ہوتا ہے مقصد یہ ہوتا ہے کہ کتاب اپنے موضوع کا حق ادا کرے ایک ورق ہو ایک صفحہ ہو مضمون ادھورا ہو سمجھ نہ بھی آتی ہو کوئی بات نہیں لیکن اگر ایک کتاب آپ کے ہاتھ میں آتی ہے تو کتاب کا بننا یا یکجا ہونا یا مرتب ہونا جو ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ پھر اُسی موضوع پر وُہ آپ کو پُوری معلومات فراہم کرے اس انداز سے اللہ ربُّ العزت فرماتے ہیں کہ رُوئے زمین پر صرف ایک کتاب ہے باقی محض نام ہیں۔ اس کے ساتھ کوئی زائد تعریفی جملہ لگانے کی ضرورت ہی نہیں کہ کوئی اسے کہے مکمل کتاب واضح کتاب یا کوئی اس کے ساتھ اور کوئی خصوصی جملہ لگائے فرمایا ضرورت ہی نہیں اس کی وجہ ہی یہ ہے کہ کتاب صرف یہی کتاب ہے اس کے علاوہ کسی بھی دُوسری تحریر کو اس کے مقابلے میں کتاب کہلانے کا حق حاصل نہیں اس لیے کہ رُوئے زمین کی کتابیں انسان پڑھ لے کسی ایک موضوع پر آپ ساری عُمر پڑھتے رہیں وُہ کتابیں ختم نہیں ہوتیں لیکن موضوع تشنہ رہتا ہے کوئی ایک موضوع لے لیں معاشیات کا ہو اقتصادیات کا ہو سیاسیات کا ہو اخلاقیات کا ہو کوئی زندگی کے کسی ایک پہلو کا طبیعات کا ہو کوئی ایک لے لیں صحت کا ہو تو کتابیں پڑھتے پڑھتے عمر بیت جائے نہ کتابیں ختم ہوں گی نہ موضوع مکمل ہو گا اُس کی تشنگی باقی رہے گی اس کا معنیٰ یہ ہو گا کہ اس موضوع پر کتاب میسر نہیں اُنہیں نام دے دیا گیا ہے کتاب کا لیکن وُہ کتاب کا حق ادا نہیں کرتیں۔

یہ ایسی کتاب ہے کہ اس کا اصل موضوع تو ہے بندے کا تعلق اپنے رب کے ساتھ اب اُس میں ضمنی موضوع پُوری حیاتِ انسانی ہے خواہ وُہ سیاسیات ہوں خواہ وُہ معاشیات ہوں اخلاقیات ہوں عقائد ہوں یا اعمال ہوں پھر صرف انسانی زندگی نہیں ہے مابعد الموت کا بُہت ایک عجیب و غریب موضوع ہے اس میں جس پر حتمی اور یقینی اور فیصلہ کن بات کہہ دینا صرف اُس کتاب کا حصّہ ہے دُنیا

ہیں انسانی آبادیاں اتنی ایک دُوسرے سے فرق اپنے اوصاف میں اپنے رنگوں میں اپنے اوقات میں کہیں ایک جگہ دن ہے دُوسری جگہ رات ہے موسموں میں ایک آبادی صحراؤں میں بستی ہے تو دُوسری برفستانوں کی مکین ہے۔ کہیں برسات زیادہ ہے تو کہیں خشکی زیادہ ہے پھر رنگوں میں نسلوں میں قدو کاٹھ میں سوچ میں بات میں زبان میں اپنی اپنی علاقائی تہذیب اور رسم و رواج میں اتنے اختلافات ہیں کہ ہر قوم یقیناً دُوسری قوم سے مختلف ہے اُس کے تقاضے مختلف ہیں اس کے اوقات مختلف ہیں لیکن یہ ایسی عجیب کتاب ہے۔ کہ رُوئے زمین پر بسنے والے ہر انسان کو اُس کی ہر ضرورت کا حتمی اور یقینی جواب دے دیتی ہے۔ کوئی دُنیا کی دُوسری کتاب یہ کام نہیں کرسکتی اس نے فاصلوں کو سمیٹ دیا خواہ وُہ فاصلے زمینی تھے خواہ وُہ زمانی تھے۔ وُہ صدیوں پر محیط تھے پہلووں کی ضرورتیں مختلف تھیں بعد والوں کی ضرورتیں مختلف ہیں اگر کوئی اونٹ پر گھوڑے پر سوار ہو کر حج کو جاتا تھا تو اس کے لیے اس نے جو ضابطے بنائے آج ہوائی جہاز پر سواری کر کے جانے والے کو بھی وُہی ضابطے ویسا ہی کام دے رہے ہیں زمانہ کتنا بدلا کہاں سے سفر کیا زمانے نے اور آج کہاں ہے اس نے مکمل رہنمائی اُس شخص کی کی تھی جو اُونٹ کی نکیل پکڑ کر چل رہا تھا اُسی طرح مکمل رہنمائی اُس آدمی کی بھی کر دی جو آج کے جدید دور کے ایک بہت بڑے ہوائی جہاز میں بیٹھ کر جاتا ہے تو اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ۔

کتاب ہے اور حقیقتاً کتاب یہی ہے باقی سب نقل ہیں کسی کو اس کے مقابلے میں کتاب کہلانے کا حق حاصل نہیں۔ اور یہ اس پائے کی اس لیے ہے کہ فرمایا اَنزَلنٰہُ کلام الملوک ملوک الکلام۔ بادشاہوں کا کلام۔ کلام کا بادشاہ ہُوا کرتا ہے فرمایا یہ اس لیے عظیم ترین ہے اچھا عجیب بات ہے میں کہہ رہا ہُوں عظیم ترین قرآن نے عظیم ترین نہیں کہا۔ کوئی توصیفی جملہ اس آیۂ کریمہ میں کوئی توصیفی جُملہ ساتھ جمع ہی نہیں کیا۔ ایک سادہ سا لفظ فرمایا کتاب ہے عظیم تو تب ہے کہ کوئی دُوسری کتاب موجود ہو تو اُسے ہم کہیں کہ وُہ چھوٹی ہے یہ بڑی ہے۔ وُہ بدصورت ہے یہ خوبصورت ہے وہ غلط ہے یہ صحیح ہے تو یہ فرمایا یہ کتاب ہے اس کے علاوہ کوئی کتاب ہے ہی نہیں جو مقصد ہوتا ہے کتاب کا اُسے پُورا کرنا صرف اس کام کا ہے اور رُوئے زمین پر کوئی تحریر کما حقہٗ اس مقصد کو پُورا ہی نہیں کرتی تو پھر بڑے چھوٹے کا سوال کہاں سے پیدا ہوتا ہے حسن و قبح کا یا مقابلے کا سوال ہی کوئی نہیں ہوتا تو سوال نہ ہی رہا اس کے ساتھ مقابلے کی بات ہی نہ رہی کتاب ہے ہی یہی اور کتاب ہے ہی نہیں اور فرمایا یہ اس لیے ہے ۔

اَنزَلنٰہُ اسے ہم نے نازل کیا یہ ہمارا کلام ہے ہماری بات ہے مشرق والے جمع کرتے تو شاید مغرب والوں کو پسند نہ آتی یا اُن کی ضروریات سے متصادم ہوتی اہل مغرب جو کتابیں تصنیف کرتے ہیں اہل مشرق کو وُہ راس نہیں آتیں ایک قوم اگر بناتی اسے تو شاید دُوسری قوم کا مزاج اُسے قبول نہ کرتا ایک خطۂ زمین کے لوگ اُسے بناتے تو دُوسرے خطے کے باسی شاید اُسے قبول کرنے کو اُسے پسند نہ کرتے لیکن فرمایا اسے ہم نے نازل کیا اور اے میرے نبی اے میرے رسُول ؐ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے اور اصل جو ہے نا آج پوری امت کا اختلاف وُہ صرف اس لفظ پر ہے جو قرآن حکیم نے طے کر دیا ہے۔ کہ کتاب ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کلام باری کتاب الٰہی ذات باری کے مخاطب ہیں محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ مولوی، پیر، ادیب، دانشور، شاعر یا مؤرخ نہیں خاطب اوّل ہیں محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہم تک اگر وُہ بات پہنچے گی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مُبارک سے پہنچے گی ہمیں دین لینا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لب ہائے مُبارک سے لینا ہے اگر میں اپنے طور پر اس کی تعبیر کرنے بیٹھ جاؤں آپ اپنے طور پر بیٹھ جائیں تو وُہ کتاب اللہ کی تعبیر نہیں ہوگی محض لوگوں کو لڑانے کی بات ہوگی اور سارا فساد صرف اس ایک بات پر ہے کہ ہر آدمی اپنی طرف

ہے ایک معنیٰ پہنا دیتا ہے قرآنِ حکیم کی آیت کو جب قرآن کا نازل کرنے والا فرماتا ہے یہ کتاب ہے یہ اکیلی ہے صرف یہی کتاب ہے اس کے نازل کرنے والا میں ہوں اس میں کوئی شریک نہیں ہے اور اس کے مخاطب آپ ہیں آپ کا کوئی شریک نہیں۔

یہ تینوں اپنی اپنی جگہ پر منفرد ہیں جس طرح توحید باری کسی بھی شراکت کے تصور سے پاک ہے اُسی طرح اِس کتاب کی عظمت کسی بھی شراکت سے بالاتر ہے اور اُسی طرح رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کسی دُوسری شراکت سے بالاتر ہیں کوئی گواہ تک نہیں ہے اس بات کا کہ کوئی شخص یہ کہہ سکے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ آیۃ کریمہ لکھوائی ہے میں بھی سُن رہا تھا یہ ایسے ہی نازل ہُوئی ہے نہیں کوئی بھی نہیں کسی کا کوئی تعلق نہیں کوئی واسطہ نہیں ۔ تو جب اس بات کا کوئی گواہ نہیں تو اپنی طرف سے اُسے معانی پہنانا کس کو زیب دیتا ہے یا کسے یہ حق حاصل ہے تو اس کا معنیٰ تو یہ ہُوا کہ اگر ہمیں اللہ کی بات کرنی ہے تو اللہ نے بات فرما دی لیکن اللہ نے وُہ بات کی محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ہمیں سُننی ہوگی آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے اَب ایک بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اور ہم اُسے اپنی عقل اپنی دانست کے مطابق مختلف طریقوں سے سمجھتے ہیں اور اُس پر عمل اُس مختلف طریقوں سے کرتے ہیں تو آپ اسے اختلاف نہیں کہہ سکتے اس اختلاف پر جھگڑا نہیں ہوتا اس پر فساد نہیں ہوتا اور اس کی مثالیں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ اجمعین میں موجود ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کی مثالیں موجُود ہیں۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حکم ارشاد فرمایا سمجھنے والوں نے اپنی دانست کے مطابق اُس پر عمل کرلیا تو کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ لیکن جب ہم قرآنِ حکیم کو اپنا معنیٰ پہناتے ہیں جو میں چاہتا ہُوں وُہ میں قرآن سے کہلوانا چاہتا ہُوں وہاں صرف پر زور لگاتا ہوں نحو پر زور لگاتا ہُوں دُور دراز کی روایات تلاش کرتا ہُوں فلاں روایت فلاں تفسیر سے پتہ نہیں کہاں کہاں سے قصے کہانیاں جوڑ کر اُس کا میں جواز پیدا کرتا ہُوں اپنی خواہش کو پُورا کرنے کا وہاں سے اختلاف شروع ہوجاتا ہے کیونکہ وُہ بات میری ہوتی ہے تو بعض اوقات وُہ میرے حق میں مفید ہوتی ہے لیکن دُوسروں کے حق میں وُہ اِس سے زیادہ مُضر ثابت ہوتی ہے وُہ انکار کر دیتے ہیں اور سارے جتنے اختلافات ہم میں ہیں اس کی بنیاد صرف یہ ہے کہ ہم اپنی پسند کا معنیٰ پہنانے کی ناروا کوشش کرتے ہیں اچھا اس کے ساتھ تعین بھی کر دی قرآن نے فرمایا ۔

لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ کیوں نازل کی کتاب ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکالیں ۔ لِتُخْرِجَ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکالیں النَّاسَ اولادِ آدمؑ کو تمام انسانیت کو رُوئے زمین کے ہر باسی کو ہر انسان کو ۔ ہر فرد کو مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۔ تاریکیوں اور اندھیروں سے نور اور روشنی کی طرف تو گویا یہ منصب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ حضورؐ سُن کر یہ بتائیں کہ کتاب کی کون سی آیۃ کریمہ کس طرح نازل ہوئی اور یہ بھی بتائیں کہ اُس کا مفہوم کیا ہے ۔ اور جو شخص اُسے قبول کرے اور مانے اور اقرار کرے اُس کا سفر ظلمت سے نور کی طرف شروع ہو گیا اَب یہ اُس کی ہمت ہے کہ وُہ کتنی تیزی سے سفر کو طے کرتا ہے وُہ کتنا حق اطاعت ادا کرتا ہے وُہ کتنے خلوص سے اطاعت کرتا ہے وُہ کتنی جانفشانی سے کرتا ہے اور اُس طرح وُہ اس نور کو حاصل کرتا اور سمیٹتا چلا جاتا ہے اور اگر کوئی شخص قبول نہیں کرتا تو اس کا معنیٰ یہ ہُوا کہ وُہ ظلمت تاریکی میں محرومی میں ہمیشہ کے لیے بھٹکنے کو رہ جاتا ہے ۔

تو گویا مذہب کی ضرورت بھی بیان کر دی کہ انسان بجائے خود روشنی کو نور کو ہدایت کو سکون کو آرام کو آزادی کو کسی بھی نعمت کو پانے کا اہل نہیں ہے اس کے لیے اسے مذہب کی ضرورت ہے ۔ انسان مذہب سے بیگانہ ہوگا تو انسانیت سے بیگانہ ہو جائے گا ۔ وُہ محض ایک حیوان ہوگا ۔ جس کا فرق دُوسرے حیوانوں سے یہ ہوگا کہ وُہ زبان سے بات نہیں کرتے یہ زبان سے اظہار خیال کرتا ہے لیکن نقصان

دینے میں تو یہ اُن سے شدید تر ہو گا کہ جنگل کا درندہ بھوک سے مجبور ہو کر دُوسرے کا خُون کرتا ہے اور پیٹ بھر جائے تو کبھی کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتا پھر بھُوک لگے گی تو کبھی کو مارے گا اور یہ حیوان ناطق جب مارنے پہ آئے گا یہ محض ENJOY کرنے کے لیے قتل و غارت گری کرتا چلا جائے گا اور یہ گلے پر گلے کاٹتا چلا جائے گا۔ صرف یہ دیکھنے کے لیے کہ کٹی ہوئی گردن سے خون کیسے اُبلتا ہے۔ جنگل کا درندہ ENJOY کرنے کے لیے نہیں مارے گا تو یہ اپنی درندگی میں اپنی وحشت میں اپنی بربریت میں یہ اُس سطح پہ چلا جائے گا کہ یہ اپنے جیسے انسانوں کے سروں کے مینار بنانے اور اپنے مینار کو اُونچا کرنے کے لیے۔ یہ تاریخ کا حصہ ہے کہ اس نے بھر مری ہوئی حاملہ عورتوں کے پیٹ چیر کر اُن کے بچّے نکال کر اُن کے چھوٹے چھوٹے سر کاٹ کر بھی اپنے مینار پر جوڑے۔ یہ اُس کی تاریخ کا حصہ ہے درندہ اتنا تکلف نہیں کرتا۔ اس کا مطلب ہے کہ انسان کو خود انسان بننے کے لیے مذہب کی ضرورت ہے۔

مذہب کیا ہے مذہب ہے تاریکی سے روشنی کا سفر ظلمت سے نور کی طرف سفر وُہ ظلمت عقائد کی ہو وُہ ظلمت کردار کی ہو دونوں طرف سے تاریکی سے نکل کر روشنی میں آنا اور یہ سفر کیسے طے ہو سکتا ہے صرف ایک ہستی کا منصب ہے کہ اُس کے مبعوث ہونے کے بعد کوئی دُوسرا اس کا شریکِ کار نہیں ہے نہ ہو گا اور وُہ ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات پر سارے انسانوں کا بحیثیت انسان حق ہے میں آپ سے نہیں چھین سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہیں اور آپ مجھ سے نہیں چھین سکتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہیں میرا بھی حق ہے اور آپ کا بھی حق ہے اور جو رُوئے زمین پر جہاں بھی سانس لیتا ہے اُس کا حق ہے ہاں اگر وُہ اپنے حق کو نہیں پہچان سکتا اپنے لیے روشنی حاصل نہیں کرتا تو یہ محرومی اُس کے مقدر میں جاتی ہے اُس کے حصّے میں جاتی ہے اگر وُہ کرنا چاہے تو کوئی دُوسرا اُسے روک نہیں سکتا۔

تو بھی اتنے تکلف کی کیا ضرورت تھی بار الہا تو نے پیدا کر دیئے اگر تیرے درندے ایک دُوسرے کی گردنیں کاٹتے پھرتے ہیں۔ اگر سانپ اور اژدہے جانوروں کو کھا کر پیٹ بھرتے پھرتے ہیں۔ اگر ایک وہیل مچھلی سینکڑوں مچھلیوں سے روزانہ پیٹ بھر سکتی ہے تو یہ تو تیری تخلیق میں ایک قانون ہے ہر بڑے درخت کے نیچے پودے مرجھا جاتے ہیں ہر طاقتور کمزور کو دبوچ لیتا ہے تو اس ساری اس افراتفری میں ایک قسم کا اضافہ ہو گیا۔ اِس سے بڑھ کر تو کچھ نہ بگڑا تو باقی جتنے قسموں کے حیوان تھے اُن میں یہ انسان بھی ایک قسم کا حیوان ہو گیا تو کیا فرق پڑتا تھا فرمایا یہ متعین کرنا تمہارا کام نہیں ہے۔

میں اس کا رب ہُوں رب صرف خالق نہیں ہوتا صرف بنانا کام نہیں ہے ربوبیت کا بلکہ ربوبیت کا کام ہے کہ بنائے بھی اور ہمیشہ ہر وقت ہر لمحے اُس کی ہر ضرورت کو بھی پُورا کرے فرمایا میں نے اسے انسان بنایا ہے محض حیوان نہیں اور انسان وجُود اور رُوح دو سے مل کر بنا ہے اور انسان کی رُوح عالم امر سے متعلق ہے یہ عجیب چیز ہے یہ میری صنعت کا شاہکار ہے۔ کیسے کہ لطیف ترین تجلی کثیف ترین مادے کے ساتھ میں نے آمیز کر دی ہے حالانکہ لطافت و کثافت کا کبھی جوڑ نہیں ہوتا کثافت کثافت ہوتی ہے لطافت لطافت ہوتی ہے روشنی روشنی ہوتی ہے تاریکی تاریکی ہوتی ہے ان میں آپس میں کوئی جوڑ نہیں ہوتا۔ کثافت کی خصوصیات اور لطافت کی خصوصیات اور لطافت نظر نہیں آتی گرفت میں نہیں آتی پکڑی نہیں جاتی کثافت مجسم ٹھوس مادہ ہوتا ہے یہ نیچے کو جاتا ہے وُہ اُوپر کو اُٹھتی ہے اِن کی ساری صفتیں الگ ہیں۔ لیکن فرمایا لطافت بھی اُس درجے کی جہاں دائرۂ تخلیق ختم ہو جاتا ہے وہاں سے عالم امر شروع ہوتا ہے۔

قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔ رُوح انسانی جو ہے اس کا تعلق عالم امر سے ہے کیسا تعلق ہے کتنا تعلق ہے فرمایا یہ تمہارے سمجھنے کی باتیں نہیں ہیں تو وُہ امر جب تخلیق ہی سے جب عالم امر بالاتر ہے اور تم مخلوق ہو اپنے سے بالاتر کو کیا سمجھو گے تمہارے لیے اتنا جان لینا

کائی ہے کہ رُوح انسانی کا تعلق عالم امر سے ہے وُہ کیسا ہے کتنا ہے یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے کہ تم اسے جان سکو۔ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔ تم مخلوق ہو دائرہ تخلیق کے اندر رہو اس سے باہر جانا تمہارے بس کی بات نہیں۔

فرمایا کمال یہ ہے میرا کہ میں نے اُس لطیف ترین تجلّی کو کثیف ترین صُورت جو مٹی مادے کی اُس کے ساتھ آمیز کر کے انسان بنا دیا اب اسے انسان بنا کر میں نے اسے چھوڑ نہیں دیا جانوروں کو بنایا ہے تو انہیں میں نے چارہ دیکر فارغ کر دیا ہے درندوں کو بنایا ہے تو انہیں تازہ خون اور گرم گرم لہو اور تازہ گوشت دے کر فارغ کر دیا ہے لیکن اسے تو میں نے صرف زندہ رہنے کے لیے نہیں اسے تو میں نے مزہ لینے اور لطف لینے کے طریقے سکھا دیئے تو وُہی ایک بوٹا ہوتا ہے جسے جانور بھوسے سمیت چبا کر پیٹ بھر لیتے ہیں ایک بیٹے سے یہ پندرہ قسم کی اجناس پکا کر کھاتا ہے فرمایا اسے تو میں نے لطف لینے کے طریقے سکھا دیئے ہیں یہی درخت ہوتا ہے اُس کے پتے شاخیں ٹہنیاں ہر چیز کھاتا چلا جاتا ہے جانور۔ جب وہی درخت اس کے پاس پہنچتا ہے تو یہ تلاش کر کے اُس سے پھول تلاش کرتا ہے کبھی اُس سے پھل دیکھتا ہے پھر کچے پکے کی پہچان رکھتا ہے پھر کبھی اُس کا کسی کا اچار بناتا ہے کسی کا مربع بنایا پھر اُس بنی ہوئی قدرت کی بنی ہُوئی چیز کو مختلف آمیزے ملا کر پھر اس سے مختلف لذتیں بناتا چلا جاتا ہے اور دنیا میں صرف انسان ہیں جو دو تین چار چیزوں کو ملا کر مختلف ذائقے بناتا رہتا ہے دُنیا کا کوئی دُوسرا جانور اُسی شکل میں اپنی غذا کو کھائے گا جو قدرت نے اُنہیں مہیا کر دی۔ انسان کے علاوہ کوئی جنس ایسی نہیں ہے جو دو چیزوں کو ملا کر آمیزہ بنا کر کوئی پکا کر تیسری چیز بھی بنا لے یہ دیکھا۔

تو فرمایا تمہیں جانوروں کی فکر کیوں ہے یہ ایک دُوسرے کو کھاتے ہیں اُن کی زندگی کا انجام یہی ہے اس رنگا رنگی کا مقصد ہی یہی ہے کہ یہ مرتے بھی رہیں تازہ اور نئے نئے آتے بھی رہیں۔ یہ دراصل اِن کی زندگی اپنا مقصد ہی نہیں رکھتی۔ ان کا مقصد ہی انسانی ضروریات کی تکمیل ہے اُس کے لیے یہ ذبح ہو جائیں اِن کا چمڑہ اُتر جائے ان کی ہڈیاں کاٹی جائیں ان کا کچھ سے کچھ بن جائے تو یہ سارا ان کی تخلیق کا مقصد ہی انسان کے لیے لذّت و طعام و دہن فراہم کرنا ہے یہ کروڑوں مُرغ روز کاٹ کر کھائے یہ لاکھوں بکرے لاکھوں جانور دِن کو کاٹ کر کھائے تو یہ سارے بنے ہی اس لیے ہیں جسے یہ کاٹ لیتا ہے تو عرفاً بھی کہا جاتا ہے کہ یہ کسی کام پہ لگا اور اگر کوئی اپنی موت سے مرجائے تو کہتے ہیں ضائع ہو گیا۔ جنہیں تم آسمانی مخلوق سمجھتے ہو جنہیں تم سُورج چاند ستارے کہتے ہو جنہیں تم سمجھتے ہو کہ یہ لوگوں کی رسائی سے دُور ہیں۔ فرمایا تمہاری جسمانی رسائی سے دُور بھی ہوں تو خدمتِ انسانی وجود انسانی جسم ہی کی کر رہے ہیں سُورج کا طلوع ہو غروب ہو یا ستاروں کا آنا جانا ہواؤں کا سفر ہو یا بادلوں کا بننا برسنا یا نہ برسنا گھاس کا اُگنا ہو یا فصلوں کی نمو ہو۔ پھلوں کا پکنا ہو یا دریاؤں کی روانی یہ پُورا نظام صرف انسانی جسم کی ضرورتوں کو پُورا کرنے کے لیے سرگرم عمل ہے اور اس سارے نظام کا کوئی مقصد نہیں جب انسان کے یہاں رہنے کی مدت ختم ہو جائے گی فرمایا یہ ساری بساط لپیٹ دی جائے گی سُورج کی ضرورت باقی نہیں رہے گی چاند باقی نہ آسمان باقی نہ زمین باقی یہ کچھ بھی نہیں اس کی کوئی ضرورت ہی نہیں آسمان ہو یا آسمانی مخلوق ہو فرشتے ہوں یا نوری مخلوق ہو صرف تعمیر بدن کے لیے اور یہ تعمیر بدن جو ہے یہ تو اس کا کثیف ترین اور سب سے گھٹیا حصّہ ہے اس میں جو اعلےٰ ترین اور نایاب شے ہے وُہ تو اس کی رُوح ہے۔

وُہ عالم امر سے متعلق ہے جو جس ربوبیت نے انسانی جسم کے لیے اتنا اہتمام فرمایا کیا وُہ رُوح کو چھوڑ دے گی ادنیٰ کے لیے اگر اہتمام ہے تو جو اعلےٰ ہے اُس کا اہتمام اُس سے یقیناً کروڑوں گنا اعلےٰ ہو گا۔ تو فرمایا اس کی لذت اُس کی بقا اُس کی صحت اُس کی غذا اور اُس کے سارے لُطف جو ہیں وُہ میں نے اس بات میں سمو دیئے کہ میں

نے اُس سے خُود باتیں کیں میں نے اُس کے لیے اپنی کتاب نازل کی اور میں نے اُس کے لیے اپنا رسُول صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث فرمایا یہ ساری کائنات اور اس کے سارے محاسن ایک طرف اور میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ادا اُس پر یہ سارے قربان ہو جائیں تو بھی وُہ لطف پیدا نہیں کر سکتے جو اُس ایک ادا میں ہے یہ ساری کائنات کروڑوں بار بنے ٹوٹے بک جائے وُہ مزہ نہیں دے سکتی جو کلام باری کے ایک لفظ میں ہے اور ایسی کھربوں کائناتیں وُہ بنا سکتا ہے جو خالق کل ہے تو اس سارے نظام کا فرمایا نہ میری ذات سے مقابلہ ہے نہ میرے کلام سے مقابلہ ہے نہ میرے نبی اور رسُول صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ ہے۔ تو میں نے یہ اتنا اہتمام اس لیے کر دیا کہ انسان کا بدن صرف فربہ ہوتا رہے گا تو اُس کی رُوح جو جو تاریکیوں میں غرق ہوتی رہے گی اور انسان انسان نہیں حیوان اور درندہ بن جائے گا تو میں نے یہ اہتمام فرما دیا کہ اس تاریکی سے انسان کو نکالا جائے کون نکالے فرمایا میرے حبیبؐ یہ آپ کی ذمہ داری ہے آپ نکالیے کیسے؟ فرمایا میرے اس کلام کے ذریعے۔

تو مذہب مزید تاریکی میں بھٹکنے کا نام نہیں ہے تاریکی سے روشن اور واضح سڑک پر آجانے کا نام ہے اور یہ منصب جلیلہ ہے آقائے نامدار حضرت محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اب اِس میں کتنا اثر ہے اس ذوا میں اور کتنی برکت ہے اس کی اسے دیکھنے کے لیے آپ صرف یہ اندازہ کر لیجئے اگر ایک شخص کی عمر اسی برس ہے اسی کے اُسی برس کفر میں شرک میں گناہ میں ظلم میں جرا میں بیت گئے اور اسی برسوں کا ایک ایک لمحہ تاریکی پر تاریکی بڑھاتا رہا۔ ظلمت پر ظلمت پر چڑھاتا رہا تو اس اسی برس کے ناکارہ ضعیف بوڑھے کو اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا اُس نے ہاں کہہ دی۔ اس کی ایک ہاں اسی برس کا کفر اسی برس کا گناہ اسی برس کا شرک سب کچھ صاف کر کے اُس کا دل روشن کرنے کے لیے کافی ہے سینکڑوں برس کسی کی عمر ہو اور وُہ سینکڑوں برس کفر میں بیت گئے اور وہ سینکڑوں برس ظلم میں گناہ میں بربادی کی نذر ہو گئے ساری بربادیاں دامن کے سارے گریباں کے سارے چاک جتنے ہیں دامن جہاں جہاں سے پھٹا ہوا ہے اُس سارے کو رفو کرنے کا ایک ہی نسخہ ہے کہ ادھر اس نے ہاں کہی اُدھر آنِ واحد میں سارا دامن رفو ہو گیا۔

تو جس ہستی کی دعوت پر صرف لبیک کہنا قبول کرنا یا ہاں کہنے کا اثر اتنا ہے اس کی بات پر عمل کرنے کا نتیجہ کتنا ہو گا جس کے سامنے صرف یہ کہنا کہ میں آپ کی دعوت قبول کرتا ہُوں۔ تو اتنا اثر رکھتا ہے کہ اس کہنے والے کو خواہ وُہ تاریکی کی کتنی گہرائی میں ہو آنِ واحد میں اُسے سُورج کے روبرو کھڑا کر دیتا ہے روشنی میں کھڑا کر دیتا ہے۔ تو پھر اُس کی بات سننا اُسے سمجھنا اُس پر عمل کرنا کیا معنے رکھتا ہے۔

ایک بات ہمیں اس میں ضرور کر لینا چاہیے ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ ہم نہ صرف امین کہتے ہیں رات دن کلمہ طیبہ کی تسبیحات پڑھتے ہیں جہاں تک عمل کا تعلق ہے نمازیں پڑھتے ہیں جہاں تک عمل کا تعلق ہے نمازیں پڑھتے ہیں روزے رکھتے ہیں حج بھی کرتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں اور بھی جو توفیق عمل ہے زندگی میں کرتے ہیں لیکن عملی زندگی میں اگر دیکھا جائے تو ہم دن بدن تاریکیوں میں غرق ہوتے جا رہے ہیں جہالت کی تاریکیاں کہہ لیں حسد اور تکبر کی تاریکیاں کہہ لیں۔ قتل و غارت کی تاریکیاں کہہ لیں۔ ہوس اور لُوٹ مار لالچ کی تاریکیاں کہہ لیں کون سی وُہ برائی ہے جو ہم میں ہر آنے والے لمحے بڑھتی نہیں جا رہی بات عجیب ہے کہ ایک ہاں کہنے سے ساری عمر کی ظلمتیں چھٹ جاتی ہیں اور ہم نہ صرف ہاں کہتے ہیں نسلوں سے صدیوں سے ماننے والے پیچھے چلنے والے حکم کی اطاعت کرنے والے دن بدن کیوں تاریکیوں میں غرق ہوتے جا رہے ہیں۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں کہتے اپنے نفس کو کہتے ہوں۔ دراصل ہر شخص نے اپنا اپنا اپنی پسند کا

ایک اسلام بنا لیا ہے اور ہم میں سے ہر شخص عمل اپنی رائے پر کرتا ہے اور نام اسلام کا لیتا ہے جو کام ہم کرنا چاہتے ہیں اُس کے لیے قرآن سے بھی جواز مِل جاتا ہے حدیث سے بھی مل جاتا ہے جو ہم نہیں کرنا چاہتے اُس کے لیے ہم فتویٰ بھی لے لیتے ہیں کہ اس کا کرنا جائز نہیں اور اس کا کرنے والا کافر ہے یہ وُہ فریب ہے جو ہم اپنے ساتھ کرتے ہیں۔

اگر ہم کسی بھی لمحے اس بات پہ رُک جائیں کہ میری پسند نہیں پسند محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوگی تو وُہ ایک لمحہ ساری زندگیوں کی تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں کھڑا کرنے کے لیے کافی ہے لیکن شاید ہماری زندگیوں میں ایسا کوئی لمحہ بہت کم آتا ہے ہم خود سوچتے ہیں خود اپنی ضرورتیں بناتے ہیں خود انہیں پورا کرنے کا طریقہ سوچتے ہیں اور اُس پر مذہب کی چھاپ لگا لیتے ہیں۔ یہ دھوکا مذہب سے نہیں ہے یہ دھوکا ذاتِ باری سے نہیں ہے یہ دھوکا اللہ کے رسولؐ سے نہیں ہے یہ اپنے آپ کے ساتھ دھوکا کرتے ہیں کہ خود کو دلدل میں گرا کر ہم کہتے ہیں میں بلندی پر چڑھتا جا رہا ہوں ہم اپنے آپ کو دلدل میں پھینک دیتے ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیں بلندی پہ چڑھنا چاہیے تو دلدل میں گرنے سے بلندی پہ کیسے چڑھو گے۔

تو ہماری جتنی خرابیاں ہیں اُس کی بنیاد ہماری اپنی آرزوئیں ہیں ہمارے اپنے فیصلے ہیں ہمارا اپنا ذاتی کردار ہے جس پر ہم نے دین کی چھاپ تو لگا رکھی لیکن ہم جو کرنا چاہیں اُس سے ہمیں دین روک نہیں سکتا ہمارا اسلام بڑا مجبور بڑا بے بس بڑا کمزور بڑا دبلا پتلا سا اور اندھا بہرہ لولا سا اسلام ہے جسے ہم جہاں پکڑ کر چاہیں اُسے چلا دیں وُہ اُدھر چلا رہتا ہے ایسا لولا لنگڑا بہرہ اندھا جو جانور جو ہمارے قابو آیا ہوا ہے کم از کم یہ اسلام نہیں ہے۔

اسلام کا ایک بنیادی اصول ہے اسلام حکومت کرتا ہے تابع ہو کر نہیں رہتا سادہ سی بات ہے تو جو فلسفہ ہماری ذات کے تابع ہے وُہ سب کچھ ہو سکتا ہے اسلام نہیں۔ جو فلسفہ ہم پر حکومت کرے گا وہ اسلام نہیں ہم اپنا اقتدار اپنا اختیار نہیں چھوڑتے اپنی خواہش اپنی آرزو نہیں چھوڑتے اور اُس سب پر اسلام کی ملمع سازی کرتے رہتے ہیں اس لیے دن بدن نمازیں پڑھنے کے باوجود تاریکی میں جا رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے نماز کو بھی سوداگری ہی سمجھا ہے اور ابھی تک ہم نے یہ تکلف ہی نہیں کیا کہ ہم یہ نماز کیوں پڑھتے ہیں یہ کیا مصیبت ہے اس کی ضرورت کیا ہے اس کی اہمیت و افادیت ہے کیا اور نماز نہ پڑھی جائے تو کیا بگڑے گا یہ بڑی بہت بلند بات ہے ہماری تو اسی اسی برس ساٹھ ساٹھ سال برس عمر کے بیت گئے ہم نے یہ نہیں سوچا کہ یہ جو روز ہم پڑھتے ہیں اس کا تلفظ صحیح ہے یا روز جو سورۃ فاتحہ ہم پڑھتے ہیں اس کا معنیٰ کیا ہے ہم کیا کہتے ہیں۔ آپ کو کہا جائے کہ فلاں انسان کے سامنے یہ بات جا کر کہو اور آپ اسی سو ساٹھ پچاس برس کہتے رہیں اور آپ کو پتہ نہ ہو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ آپ قبول کریں گے وُہ کہتا۔ آپ کسی آدمی کے ساتھ برسوں ایسی بات کر سکتے ہیں جسے آپ خود نہیں سمجھ سہے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں تو روزانہ دن میں پانچ مرتبہ جا کر اُس کے سامنے وُہ بات دُہرانا آسان ہے لیکن میں اور آپ اللہ کے ساتھ ایسا کرتے ہیں۔

تو جب ہمارے نزدیک اس کی اتنی بھی اہمیت نہیں کہ ہم یہ جاننے کا بھی تکلف کر لیں کہ اللہ کے رُوبرو میں ہاتھ باندھ کر میں کیا کہہ رہا ہوں تو اس سے ہم نے کب سے اسلام سمجھ لیا ہے رسومات کی پیروی تو کہہ سکتے ہیں کہ باپ دادا نے چند رسومات ہمیں دیں اور ہم نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ ہم اُنہی کی اولاد ہیں ہم نے رسُومات کو اپنا لیا ہے جیسے خانہ بدوش کا بیٹا ویسا ہی گھر بنا کر اُس کو اُسی طرح کندھوں پہ اُٹھا لیتا ہے جیسے زمیندار کا بیٹا ہل چلانا شروع کر دیتا ہے جیسے لوہار کا بیٹا وُہ دھونکنی پھونکنا شروع کر دیتا ہے سُنار کا بیٹا باپ کی دکان پر بیٹھ جاتا ہے ہمارے قابو بھی ویسا ہی موروثی اسلام آگیا اُس کی چند رسُومات ہیں اور ہم وُہ نبھا رہے ہیں کہ لوگ یہ دیکھیں کہ مُسلمان کے بیٹے ہیں اور یہ مسلمان ہیں۔ اسکے علاوہ ہمارا اپنا تعلق اسلام

سے ابھی تک نہیں بن سکا۔

ہم اس کو اپنا سمجھیں ہم اُس سے پوچھیں کہ تم ہم سے کیا چاہتے ہو کبھی ہم اُن سے پوچھیں۔ ہم تمہارے لیئے کیا کر سکتے ہیں۔ میں ایک دفعہ حدیث شریف دیکھ رہا تھا۔ تو کسی یتیم کے سر پر اگر شفقت سے ہاتھ رکھا جائے تو جتنے بال ہاتھ کے نیچے آتے ہیں اتنی نیکیوں کا ثواب ملتا ہے کم از کم جو ثواب ملتا ہے وہ اتنی نیکیوں کا تو مجھے فوراً خیال آیا کہ اس دور میں دینِ حق سے بھی کوئی بڑا یتیم اور لاوارث ہوگا۔ کوئی ایسا آدمی جو کسی کمزور ترین بندے کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ وہ رمضان میں سرِعام سگریٹ تو پی سکتا ہے دین کی توہین تو کر سکتا ہے اُسے کوئی نہیں روکتا تو کوئی آدمی جو کسی ادنیٰ ترین انسان کی مخالفت نہیں کر سکتا وہ سرِعام اسلام کی مخالفت کرتا ہے اور اسلام میں اتنی سکت بھی نہیں ہے کہ کسی ظالم کا ظلم کے لیئے اُٹھتا ہُوا ہاتھ روک لے یا کسی مظلوم کی آہ سُن لے کسی بے بس کا آنسو پونچھ لے کسی بھوکے کو ایک لقمہ دے دے یا کسی ظالم کے مُنہ سے نوالہ چھین لے تو پھر وُہ کیسا اسلام ہے جو ہم نے پال رکھا ہے۔ وُہ کسی کام کا بھی نہیں۔

اور اُس کے سہارے ہم نور تک پہنچ جائیں گے ہم نے اپنی خواہشات کا نام اسلام رکھ لیا ہے جب تک ہم اُس حقیقی آواز تک اپنے آپ کو نہیں پہنچائیں گے جب تک ہمارا دل اُس دعوت کو نہیں سنے گا جو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور اُس نغمہ جانفزا کو ہمارے کانوں کے راستے راستہ نہیں ملے گا جب تک ہماری رگِ جاں تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات نہیں اُتریں گے بات نہیں بنے گی۔ رسُومات سے بات نہیں بنے گی۔ محض باتوں سے بات نہیں بنے گی یہ کسی کی جاگیر نہیں ہے۔

ہم نے تو اس ملک میں کم از کم برصغیر میں ہم نے دیکھا یہاں کے باسی جو تھے اصلی قوم جو یہاں ہندو کہلاتی ہے۔ ہندوستان کے رہنے والے جو تھے انہوں نے ایک طریقہ اپنایا تھا مذہب سارے کا سارا برہمن کو دے دو وُہ جانے اور مذہب جانے باقی لوگ اپنا کام کرو۔ ہم نے یہاں آکر عملی طور پر اسلام کے ساتھ وہی سلوک کیا کہ یہ چند ملاؤں کو چند پیروں کو دے دو باقی لوگوں کا اس کے ساتھ کیا ہے ہمارا کام جو ہے زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ کسی ملاں کو تنخواہ دے دیں اور اسے کھانا ہفتے میں ایک بار دے دیں یا کسی پیر کو نذرانہ دیدیں یا اُس کے عرس میں پیسے ڈال دیں اس سے زیادہ ہمارا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے مُلاں جانے پیر جانے اسلام جانے وُہ آپس میں نپٹتے رہیں گے۔ ایسا اسلام کبھی آپ کو نور تک نہیں لے جائے گا۔ یہ اسلام تو ہر ہر فرد کا ذاتی معاملہ ہے۔ پیر کا اپنا اسلام ہے مُرید کا اپنا اسلام ہے مولوی کا اپنا اسلام ہے جتنا اسلام مولوی کا ہے اتنا ہی اہم رشتہ اسلام کے ساتھ اُس جاہل اور گنوار کا ہے جو مویشی چرا رہا ہے جو دعوت کسی بڑے سے بڑے پیر تک پہنچتی ہے وہی دعوت اُس انسان تک پہنچتی ہے وہی دعوت اُس انسان تک پہنچتی ہے جو کسی غار میں جنگل میں صحرا میں چار مویشی لے کر بیٹھا ہُوا ہے جو نور ایک سُلطان اور حکمران تک پہنچتا ہے وُہی اُس فقیر تک پہنچ سکتا ہے جو گلی گلی صدا دیتا ہے بات صرف تعلق کی ہے کہ بحیثیت انسان اپنی صفات کو چھوڑ کر وُہ سُلطان ہے یا گداگر ہے وُہ فلاسفر ہے یا ان پڑھ ہے وُہ پیر ہے یا مولوی ہے یا عام غریب آدمی ہے بات اِن اوصاف کی نہیں بات صرف یہ ہے کہ اولادِ آدم علیہ السلام میں سے ہے اور اس کا رشتہ محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استوار ہو جائے۔ تو مُسلمان بن جاتا ہے اُسے ظلمت سے نور کی طرف آنے کی توفیق ارزاں ہو جاتی ہے۔ اُس سے ظلمتیں اور تاریکیاں چھٹ کر روشنیاں اُس کا مقدر بن جاتی ہیں

اور اگر ہم نے اسے براہِ راست اور اپنا کر کے نہ لیا تو نتیجہ یہی ہوگا جو ہم بھگت رہے ہیں۔ کوئی بھی انقلاب ہماری اصلاح نہیں کر سکتا یہاں آپ روز سُنتے ہیں مارشل لاء لگ جائے گا کوئی کہتے ہیں مخلوط حکومت بنالو یہ سارے بکواس ہیں یا سیدھے سیدھے ایک جگہ پر واپس کیوں نہ آجائیں جو ہمارا اصل اور مرکز اور منبع ہے اطاعت محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کیوں نہ ہم واپس اپنے مقام پر آکر اپنے

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

پروفیسر جمیل احمد خان

قِبلہ کا تعیّن

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝ البقرہ ۱۴۴

ترجمہ بیشک ہم آپ کے منہ کا آسمان کی طرف پھرنا دیکھ رہے ہیں۔ سو ہم آپ کو اسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں۔ پس اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیجئے اور جہاں کہیں تم ہوا کرو اپنے مونہوں کو اسی طرف پھیر لیا کرو۔ اور بے شک وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی ہے، یقیناً جانتے ہیں کہ وہ حق ہے ان کے رب کی طرف سے۔ اور اللہ کریم اس سے بے خبر نہیں جو وہ کرتے ہیں۔

تشریحی نکات ۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح خبر دینی کے ماتحت اس کا یقین تھا کہ اب جبکہ امامت بنی اسرائیل سے چھن چکی ہے تو ان کا قبلہ بھی قبلۂ اُمت نہیں رہ سکتا۔ تحویلِ قبلہ کا حکم اب آکر رہے گا۔ اور خانہ کعبہ سب قبلوں سے افضل اور حضرت ابراہیمؑ کا بھی قبلہ وہی تھا۔ ادھر یہود طعن کرتے تھے کہ یہ نبی شریعت میں ہمارے مخالف اور ملتِ ابراہیمی کے موافق ہو کر ہمارا قبلہ کیوں اختیار کرتے ہیں؟ پس قبلہ کے شوق و انتظار میں آپ کی نظریں بار بار آسمان کی طرف اُٹھ اُٹھ جاتی تھیں۔ اس آیت میں اسی کیفیت کا بیان ہے۔ حق تعالیٰ اگرچہ ہرگز کسی جہت کا پابند یا کسی مکان سے محدود نہیں، تاہم تجلیاتِ خاصہ کو قرآن میں آسمان کی جانب منسوب کیا گیا ہے۔ اسی لیے محققین نے لکھا ہے کہ بوقتِ اضطرار و دعا آسمان کی طرف دعا کرنا موجباتِ قبول میں سے ہے۔

۲۔ اس کے بعد تحویلِ قبلہ کا وعدہ آگیا اور فرمایا گیا کہ ہم اسے آپ کا قبلہ بنانا چاہتے ہیں۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال رفعتِ مراتب اور کمال درجہ فنا و قبولیت ظاہر ہے۔

۳۔ ابھی وعدہ ہوا تھا تحویلِ قبلہ کا، اب حکم صادر ہو گیا کہ اپنا منہ مسجد الحرام کی طرف پھیر لیجئے۔ رجب یا شعبان ۲ھ میں یہ حکم نازل ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد بنی سلمہ میں ظہر کی نماز ادا کر رہے تھے۔ دو رکعت بیت المقدس کی طرف پڑھ چکے تھے۔ نماز ہی میں آپ نے اور سب مقتدیوں نے کعبہ کی طرف منہ پھیر لیا اور باقی دو رکعتیں پوری کیں۔ اس مسجد کا نام مسجد قبلتیں ہو گیا۔

۴۔ ابھی ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ملا تھا کہ اپنے پسندیدہ قبلہ کی طرف نماز پڑھا کیجئے، اب عام حکم صراحت کے ساتھ ساری امت کو مل رہا ہے۔

۵۔ فقہا نے لکھا ہے کہ نماز میں جو استقبال فرض ہے وہ سینہ کا ہے۔ چہرہ کا استقبال صرف مسنون ہے۔ صرف گردن پھر جانے سے نماز باطل نہیں ہو جاتی۔

۶۔ فقہا نے یہ بھی نکالا ہے کہ نماز، انسان کی کہیں بھی ہو درست ہے، کچھ مسجد ہی کی قید نہیں۔

۷۔ علماء اکابر یہود کو اپنے ہاں کی روایتوں اور نوشتوں کی بنا پر یہ خوب علم تھا کہ پیغمبر آخر الزماں کا قبلہ وہی ہوگا جو ابراہیم علیہ السلام کا تھا کہ وہی قبلہ اصلی اور حقیقی ہے۔ پس آپ ان کے اعتراضات کی پروا نہ کریں۔ ان کے تمام کاموں کی اللہ کریم کو خوب خبر ہے۔

۸۔ قرآن کریم کی رو سے ہم بات کے ضرور مکلف ہیں کہ حتی الامکان صحیح سمتِ قبلہ کی تحقیق کریں مگر اس بات پر مکلف نہیں ہیں کہ ضرور بالکل ہی صحیح سمت معلوم کرلیں جس سمت کے متعلق ہمیں امکانی تحقیق سے غالب حاصل ہوجائے کہ یہ سمتِ کعبہ ہے، ادھر نماز پڑھنا یقیناً صحیح ہے۔ اور اگر کہیں آدمی کے لیے سمتِ قبلہ کی تحقیق مشکل ہو یا وہ کسی ایسی حالت میں ہو کہ قبلہ کی طرف اپنی سمت قائم نہ رکھ سکتا ہو (مثلاً ریل یا کشتی میں) تو جس طرف اسے قبلہ کا گمان ہو یا جس طرف رُخ کرنا اس کے لیے ممکن ہو اسی طرف وہ نماز پڑھ سکتا ہے۔ البتہ اگر دورانِ نماز میں صحیح سمتِ قبلہ معلوم ہوجائے یا صحیح سمت کی طرف نماز پڑھنا ممکن ہوجائے تو نماز کی حالت ہی میں اسی طرف ہوجانا چاہیئے۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۗ أَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَأْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ۗ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ البقرۃ ۱۸/۱۴۸

ترجمہ اور ہر ایک کے لیے ایک طرف ہے جس طرف وہ منہ کرتا ہے پس تم نیکیوں کی طرف دوڑو۔ تم جہاں کہیں بھی ہوگے تم سب کو اللہ سمیٹ کرلے آئے گا۔ بیشک اللہ کریم ہر چیز پر قادر ہے۔

تشریحی نکات ۱۔ ہر قوم: ہر امت نماز وعبادت کے لیے ایک مرکزی رُخ یا قبلہ مقرر رکھتی ہے، سو امت اسلامیہ کے لیے بھی ایک متعین قبلہ ناگزیر ہے پس اے مسلمانوں! احسن عمل کی طرف بڑھو۔ اور جملہ مذاہب وادیان کے اتحادِ قبلہ کے خیالِ خام میں نہ پڑے رہو۔ خیر رضائے الٰہی کے موافق جملہ امور کو شامل ہے۔ مقصود نمازوں اور نمازیوں میں وحدت پیدا کرنا ہے۔ تم شمال، جنوب، مشرق، مغرب، دنیا کے کسی خطہ، کسی علاقہ میں بھی متفرق ومنتشر ہو، عالم الغیب والشہادۃ کو تو بہر حال علم ہے کہ تم رُخ ایک ہی طرف کئے ہوئے ہو۔ وہ کعبہ کی طرف پڑھی ہوئی ساری نمازوں کو ایک حکم میں رکھے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے احاطہ قدرت سے کوئی چیز بھی فارغ نہیں۔

نماز جسے پڑھنی ہوگی اسے بہر حال کسی نہ کسی سمت کی طرف تو رخ کرنا ہی ہوگا، مگر اصل چیز وہ رُخ نہیں ہے جس طرف تم مڑتے ہو بلکہ اصل چیز وہ بھلائیاں ہیں جنہیں حاصل کرنے کے لیے تم نماز پڑھتے ہو۔ لہٰذا سمت اور مقام کی بحث میں پڑنے کی بجائے تمہیں فکر بھلائیوں کے حصول ہی کی ہونی چاہیئے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ البقرۃ ۱۸/۱۴۹

ترجمہ اور جہاں سے آپ نکلیں تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کیا کریں۔ اور آپ کے رب کی طرف سے یہی حق بھی ہے۔ اور اللہ تمہارے کام سے غافل نہیں۔

تشریحی نکات یہ حکم استقبالِ کعبہ، سفر، حضر ہر کہیں کے لیے ہے۔ پس تم دنیا کے کسی حصہ میں جاؤ، قبلہ تمہارا یہی رہے۔ اس میں اب کسی نسخ وتبدیلی کا امکان نہیں اور یاد رکھو کہ اللہ تمہارے کاموں سے خوب باخبر ہے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ إِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۗ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۗ وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

(البقرۃ ۱۸/۱۵۰)

ترجمہ اور آپ جہاں کہیں سے نکلیں تو اپنا منہ مسجدِ حرام کی طرف کیا کریں اور تم بھی جہاں کہیں ہو تو اپنا منہ اس کی

طرف کیا کرو تاکہ لوگوں کو تم پر کوئی الزام نہ رہے مگر ان میں سے جو بے انصاف ہیں تم بھی ان سے نہ ڈرو اور ہم سے ڈرتے رہا کرو۔ اور تاکہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کردوں اور تاکہ تم راہ پاؤ۔

تشریحی نکات

۱۔ حکم کی تکرار غالباً تاکید کے لیے ہے بعض نے لکھا ہے کہ اس سے پہلا تعمیمِ حال کے لیے ہے یعنی سفر حضر میں جس حال میں بھی ہوں توجہ کعبہ کی طرف کرلی جائے۔ اور دوسرا حکم تعمیمِ مکان کے لیے ہے، یعنی دور و نزدیک، حاضر و غائب جہاں کہیں بھی ہوں، توجہ کعبہ کی طرف کرلی جائے۔

۲۔ حکمِ استقبالِ کعبہ صرف رسول کے ساتھ مخصوص نہیں، ساری امت پر اس کی تعمیل فرض ہے۔ شَطْرَ ہ تک حکمِ استقبالِ کعبہ کل ملا کر چھ بار آچکا ہے۔ اہلِ لطائف و اسرار نے لکھا ہے کہ ہر بار کے حکم سے ایک ایک خاص اشارہ مقصود ہے۔ مثلاً (i) پہلی بار سے مطلق حکم وجوب (ii) دوسری بار سے تعمیمِ احوال یعنی سفر ہو یا حضر (iii) تیسری بار سے تعمیمِ مکان یعنی نزدیک ہو یا دور، حاضر ہو یا غائب۔ (iv) چوتھی بار سے تعلیمِ ادب یعنی قبلہ رو رہنے کا استحباب (v) پانچویں بار سے توجہ قلبی یعنی دل اسی طرف لگا رہے جدھر پروردگار کی خاص توجہ ہے (vi) چھٹی بار سے تاکید یعنی رفع احتمالِ نسخ۔

۳۔ پس تم جہاں جاؤ قبلہ یہی رہے تاکہ مخالفینِ اسلام کو یہ کہنے کا موقعہ نہ ملے کہ مسلمانوں کا کوئی اصول نہیں۔ وہ جس قوم میں جاتے ہیں، اسی کے قبلہ کی طرف منہ کرلیتے ہیں۔ اگرچہ ظالم تو اس ایک دفعہ کی تحویل کے باعث بھی پیچھا نہیں چھوڑتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقتاً امرِ الٰہی کے مطابق کی۔ مثلاً اہلِ کتاب کو اس اعتراض کی گنجائش رہی ہے کہ ہمارے نوشتوں کے بموجب تو آخری نبی کا قبلہ، قبلۂ ابراہیمی ہونا تھا، یا مشرکین عرب کو اعتراض کا موقع کہ یہ نبی دینِ ابراہیمی کے مدعی ہو کر قبلۂ ابراہیمی کیوں ترک کیے ہوئے ہیں۔

۴۔ پس ایسے بے انصافوں کے اعتراض کی پروا مت کرو اور ہمارے حکم کے تابع رہو۔ تعیینِ قبلہ تمہارے لیے نعمت ہے، خانۂ کعبہ کا محلِ نزولِ رحمت، مرکزِ تجلیات ہونا مسلّم ہے، ساتھ ہی نماز کا افضلِ عبادات ہونا مسلّم۔ پس ان باتوں سے ظاہر ہوجاتا ہے کہ خانۂ کعبہ تعیینِ قبلہ سے بڑھ کر عنایت اور تکمیلِ نعمت اور کیا ہوگی۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ۝ النساء ۷/۴۳

ترجمہ اے ایمان والو! جس وقت کہ تم نشہ میں ہو نماز کے نزدیک نہ جاؤ یہاں تک کہ تم سمجھ سکو کہ تم کیا کہہ رہے ہو اور نہ جنبی ہونے کی حالت میں مگر راستہ گزرتے ہوئے۔ یہاں تک کہ غسل کرلو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا کوئی شخص تم میں سے رفع حاجت کرکے آئے یا عورتوں کے پاس گئے ہو پھر تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے کام لو اور اسے اپنے مونہوں پر اور ہاتھوں پر مَلو۔ بے شک اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔

تشریحی نکات

تشریح کے لیے دیکھئے باب طہارت آیت نمبر ۱

قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ ۖ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ ۝ الاعراف ۳/۲۹

ترجمہ کہہ دو میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے۔ اور ہر نماز کے وقت اپنے منہ سیدھے کرو اور اس کے خالص فرمانبردار ہو کر اسے پکارو۔ جس طرح تمہیں پیدا کیا ہے اسی طرح دوبارہ پیدا ہوگے۔

تشریحی نکات

۱- اللہ تعالیٰ نے ہر کام میں توسط و اعتدال پر رہنے اور افراط و تفریط سے بچنے کی ہدایت کی ہے۔ جو اصل اصول ہے عبادات، معاملات و اخلاق میں۔

۲- مسجد ظرف زمان و مکان دونوں ہے یعنی سجدہ کے وقت کے بھی اور سجدہ کی جگہ کے بھی۔ پس نماز ادا کرنے کے وقت اپنا منہ سیدھا (کعبہ کی طرف) رکھو یا خدا کی عبادت کی طرف ہمیشہ استقامت کے ساتھ دل سے متوجہ رہو۔ عبادت کی مقبولیت دو ہی چیزوں پر موقوف تھی، خالص خدا کے لیے ہو اور اس مشروع طریقہ کے موافق ہو جو انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام نے تجویز فرمایا ہے۔ آیت میں دونوں کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ پس اول یہ کہ اس کی عبادت میں ہرگز کسی اور کی شرکت یا آمیزش نہ ہونے پائے اور دوم یہ کہ ہر عبادت کے وقت اپنی توجہ اللہ ہی کی طرف رکھو۔

۳- مولانا اشرف علی تھانوی نے فرمایا ہے کہ آیت جامع اصلاح ظاہر و باطن کی۔ اَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ سے طاعتِ ظاہری اور مُخْلِصِیْنَ سے طاعتِ باطنی کی جانب اشارہ ہے۔

۴- جس طرح اول بار اللہ تعالیٰ نے تمہیں محض اپنی قدرت سے پیدا کر دیا تھا اسی طرح وقتِ مقرر پر یعنی حشر میں دوبارہ پیدا فرمائے گا اس زندگی میں موجودہ زندگی کے نتائج سامنے آئیں گے۔ پس اس کی فکر ابھی سے ہونی چاہیئے۔

مزید تشریح کے لیے دیکھئے باب عبادت آیت:-

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ الاعراف ۷/۳۱

ترجمہ اے آدم کی اولاد تم مسجد کی حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو اور کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ نکلو۔ بیشک اللہ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

تشریحی نکات

۱- یہ آیات ان لوگوں کے رد میں نازل ہوئیں جو کعبہ کا طواف برہنہ ہو کر کرتے تھے (یعنی مشرکین عرب) اور اسے بڑی قربت اور پرہیزگاری سمجھتے تھے۔ اور بعض جاہلیت کے ایام حج میں سد رمق سے زائد کھانا اور گھی یا چکنائی وغیرہ کا استعمال چھوڑ دیتے تھے۔ بعضوں نے بکری کے دودھ اور گوشت سے پرہیز کر رکھا تھا۔ ان سب کو بتلا دیا کہ یہ کوئی نیکی اور تقویٰ کی باتیں نہیں۔ خدا کی دی ہوئی پوشاک جس سے تمہارے بدن کا ستر (چھپانا) اور آرائش ہے۔ وہ عبادت کے وقت دوسرے اوقات سے بڑھ کر قابلِ استعمال ہے تاکہ بندہ اپنے پروردگار کے دربار میں اس کی نعمتوں کا اثر لیکر حاضر ہو۔ خدا نے جو کچھ پہننے اور کھانے کو دیا ہے اس سے تمتع کرو۔ بس شرط یہ ہے کہ اسراف نہ ہونے پائے۔ اسراف کے معنی حد سے تجاوز کرنا ہے جس کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً حلال کو حرام کر لے یا حلال سے گزر کر حرام سے بھی متمتع ہونے لگے، یا بے تمیزی اور حرص سے کھانے پر گر پڑے یا بغیر اشتہا کے کھانے لگے یا بے وقت کھائے، یا اس قدر کم کھائے جو صحتِ جسمانی اور قوتِ عمل کے باقی رکھنے کے لیے کافی نہ ہو یا مضرِ صحت چیزیں استعمال کرے نیز بیجا خرچ کرنا بھی اسراف کی ایک فرد ہے۔

۲- فقہاء و مفسرین نے اس سے نماز میں ستر پوشی کی فرضیت پر استدلال کیا ہے۔

۳- پس اے آدمؑ کے بیٹو۔ ہر نماز کے وقت آراستہ ہو کر آؤ اور اللہ تعالیٰ کا رزق کھاؤ اور پیو اور بندگی کی حدود سے باہر نہ نکلو۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ بنی اسرائیل ۱۷/۱۱۰

(باقی صفحہ ۳۴ پر)

عقیدہ، عمل اور تبلیغ

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان

قرآن حکیم کا موضوع تاریخ نہیں ہے نہ یہ تاریخ کی کتاب ہے لیکن تاریخی واقعات کو صحیح ترین اور ان کی اصل صورت میں اس جگہ سے بیان کرتا ہے اس طرح بیان کرتا ہے جس جگہ سے اور جس طرح اپنے مخاطب کو نصیحت کرنا مقصد ہوتا ہے قرآن جتنی تاریخ بیان کرتا ہے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ پہلے لوگوں نے یہ عمل کیا اور اس کا یہ نتیجہ سامنے آیا لہٰذا تم بھی اپنا آپ پرکھ لو کہ تم کیا عمل کر رہے ہو اور اس کا نتیجہ کیا ہونا چاہیئے اس انداز سے بھی جو واقعاتِ تاریخی قرآن لیتا ہے وہ حق ہوتا ہے جو کچھ بیان کرتا ہے وہ کیونکہ اللہ کریم خود بیان فرماتے ہیں کوئی قصہ مسلسل بیان نہیں ہوتا عموماً مختلف اجزاء اس کے جو اس جگہ ضروری سمجھے جائیں وہ بیان کر دیئے جاتے ہیں۔ ہمارا آج کا جو حال ہے عام آدمی سے ہٹ کر قیادت کی بات کریں تو سیاسی قیادت ہو یا دینی علماء و مشائخ ہوں یا سیاست دان ایک بات سے دونوں طبقے متفق ہیں کہ حکومت ہمیں دے دی جائے ہم ملک کی قوم کی معاشرے کی اصلاح کریں گے اور دین دار حضرات کا ایک طبقہ یہ ہے ایسا ہے جو کہتا ہے ہمیں لوگوں کے معاملات سے غرض نہیں کیا کرتے ہیں لوگ کیا نہیں کرتے ہمیں اس سے غرض نہیں ہے چونکہ ہمارے ذمے تبلیغ کرنا ہے اور ہم تبلیغ کرتے ہیں اچھی بات ہے تبلیغ کرنا لیکن تبلیغ ہوتی کیا ہے یہی نا کہ کسی تک کوئی بات پہنچانا اور وہ بات اگر اسلام ہے تو اسلام تو بنیاد ہی عملی زندگی پہ رکھتا ہے یعنی اگر ہم اپنی تبلیغ میں سے عملی زندگی کو نکال دیں جس کے ساتھ بات کر رہے ہیں اس کی عملی زندگی کو بھی زیر بحث نہ لائیں خود جو عمل کر رہے ہیں اُسے بھی زیر بحث نہ لائیں صرف اس بات پہ رہیں کہ میں نے تبلیغ کی میں نے تقریر کی میں نے سفر کیا میں نے چلّہ لگایا تو مقصد تو پورا نہ ہوا یعنی تبلیغ خود تو کوئی چیز نہیں اس کی کوئی حیثیت نہیں کوئی حقیقت نہیں ہے تبلیغ سے مراد اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پہنچانا اس کا مادہ بلغ ہے۔ بلغ معنی ہوتا ہے پہنچانا پہنچنا تبلیغ سے مراد ہے بات آگے پہنچانا اگر بات آگے اللہ کی پہنچانی ہے تو اللہ کریم بھی ایمان کے ساتھ عمل صالح کی بات کرتے ہیں عمل صالح میں صرف نماز روزہ نہیں ہے بلکہ عمل میں انسانی پوری زندگی کا عمل آ جاتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پہنچانی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی عملی زندگی کو زیر بحث لاتے ہیں قرآن حکیم کو آگے پہنچانا ہے تو وہ بھی عملی زندگی کو زیر بحث لاتا ہے لیکن ہماری بد نصیبی یہ ہے کہ ہم نے اس سارے سے الگ کر کے ایک تبلیغ کا شعبہ بنا لیا ہم دو چلے چار چلے بلکہ آٹھ آٹھ دس مہینے سال سال کے چلے لگا کر آتے ہیں

تو اپنا عمل وہیں ہوتا ہے یعنی جو جھوٹ جس سے بول رہے ہیں اُس سے جھوٹ بول رہے ہیں جس سے دھوکا کرنا ہے اس سے دھوکا کر رہے ہیں جس کو نقصان پہنچانا ہے اس کو نقصان پہنچا رہے ہیں جس کی بے عزتی کرنی ہے اس کی بے عزتی کر رہے ہیں اور اس بات کے امیدوار بھی ہیں کہ میں نے بڑا دین کا کام کیا میں نے تبلیغ کی تو تبلیغ نِری تبلیغ تو کوئی شئے نہیں ہے نازی تبلیغ سے مراد تو یہ ہے کہ اسی عملی زندگی کو زیرِ بحث لایا جائے اس کا وہ انداز لوگوں تک پہنچایا جائے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہے تو اس طرح ہم مختلف طبقوں میں بٹ کر جو کچھ کر رہے ہیں ایک تو اس میں کوئی تطابق نہیں ہے پیر صاحب جو کرتے ہیں وہ مولوی صاحب نہیں مانتے جو مولوی صاحب کرتے ہیں وہ تبلیغ والے حضرات نہیں ملتے جو تبلیغ والے کرتے ہیں وہ جماعت اسلامی نہیں مانتی جو اسلامی کرتی ہے تو دیوبندی بریلوی جھگڑا شروع ہو جاتا ہے ان سے بات نکلتی ہے تو تقلید عدم تقلید کا جھگڑا شروع ہو جاتا ہے تو اس قدر بے شمار وہ تنازعے بن گئے کہ ہر ایک کے پاس ہے دین ہی کا کوئی نہ کوئی حصہ کسی کے پاس کھڑکی ہے کسی کے پاس دروازہ ہے کسی کے پاس چھت کا ایک بالا ہے کسی کے پاس ایک کڑی ہے کسی کے پاس دیوار کا ایک پتھر ہے اب وہ سارے کہتے ہیں جو میرے پاس ہے یہی سارا دین ہے اور دین ان سب کے ان نظریات کو ان سب کے عمل کو ملایا جائے تب بنتا ہے یعنی ایک کام تبلیغ والوں نے چھوڑ دیا وہ جماعت اسلامی کر رہی ہے جو تبلیغ والے کر رہے ہیں وہ اس نے چھوڑ دیا یہ تو اچھی بات تھی کہ ایک شعبہ ایک جماعت نے یا ایک طبقہ زندگی نے اختیار کر لیا دوسرا دوسرے نے لیکن جب تک ان میں کوآرڈینیشن یا ان میں کوئی تعلق یا رابطہ نہ ہوگا ہونا تو اسی طرح ہے کہ ہر آدمی سارے شعبے نہیں سنبھال سکتا ایک شعبہ ایک جماعت کر رہی ہے دوسرا دوسری کر رہی ہے تیسرا تیسری کر رہی ہے درست ہے لیکن اب یہ سارے شعبے آپس میں تعاون کریں ان میں کوآرڈی نیشن بنے ان میں کوئی ایک دوسرے کے ساتھ مل کر چلنے کی کوئی صورت بنے تو کام ہو گیا لیکن ہمارے ہاں اُلٹ ہوتا ہے جس کے پاس جو حصہ ہے وہ کہتا ہے یہی دین ہے باقی کفر ہے کام سارے ٹھیک کر رہے ہیں الا ماشاءاللہ سارے لوگ ایک جیسے نہیں ہوتے بندے سارے بندے ہوتے ہیں کوئی بھی فرشتہ نہیں ہوتا فرق یہ ہوتا ہے کہ میں جو خود گناہ کرتا ہوں اس کے لیے میں سمجھتا ہوں کہ میں بندہ ہوں اللہ کریم مجھے معاف کر دے گا جو دوسرا کرتا ہے اس پر میں کفر کا فتویٰ لگاتا ہوں اس کے لیے گنجائش نہیں نکالتا کہ یہ بھی انسان ہے اس سے غلطی ہو گئی ہے میں اسے سمجھا دوں یا میں اسے مشورہ دوں ایسا نہ کرو ممکن ہے باز آجائے اگر باز نہیں آتا تو میرا کام اسے بتانا ہے کہ جو کچھ تم کر رہے ہو یہ کام اچھا نہیں - تو میرا کام اسے بتانا ہے کہ جو کچھ تم کر رہے ہو یہ کام اچھا نہیں ہے نہیں مانتا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اختیار دیا ہے دنیا میں جو کرنا چاہتا ہے کر گزرے میں کیوں اس کی گردن ناپوں میں کیوں اُسے گالیاں دوں میں کیوں اُس پہ فتوے لگاؤں مجھے کیا ضرورت ہے اس پر پتھر پھینکنے کی اسی اسلوب کو بیان کرنے کے لیے قرآن پاک نے یہاں مختلف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قصے بیان فرمائے ہیں جو آیات میں نے تلاوت کی ہیں ان میں رب جلیل نے حضرت شعیب علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا ہے۔

کہ اہل مدین کے پاس ہم نے انہی میں سے ان کا بھائی شعیب علیہ السلام مبعوث فرمایا وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ انہوں نے پہلی بات تو یہ فرمائی کہ لوگو! اللہ کریم کی عبادت کرو اللہ کریم کے سوا تمہارے لیے کوئی بھی مستحق نہیں ہے عبادت کا صرف اللہ کو یہ حق حاصل ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اللہ تعالیٰ کے علاوہ جس کسی کے سامنے عبادت کے لیے جھکتے ہو اپنے آپ پر بھی ظلم کر رہے ہو اپنی آخرت پر

بھی ظلم کر رہے ہو اپنے ماحول کو بھی تباہ کر رہے ہو دوسری بات وہ قوم کم تولنے کی اور کاروبار میں بد دیانتی کرنے کی عادی تھی فرمایا پیمانے اپنے جو ہیں ان کو کم مت رکھو ہماری ایک بدنصیبی یہ بھی ہے کہ قرآن حکیم نے مختلف اقوام میں ایک ایک جرم ایسا بیان کیا ہے جتنی قومیں غرق ہوئیں کوئی ایک آدھ جرم ان میں ایسا تھا جو انہیں لے ڈوبا اور اسی ایک جرم کو قرآن کریم نے زیر بحث لیا ہے جس کی شدت کی وجہ سے وہ قومیں تباہ ہوئیں ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ گزشتہ تمام اقوام کے سارے جرائم ہم میں بیک۔۔۔ وقت موجود ہیں کسی قوم کے ذمے یہ آتا ہے قرآن کریم میں کہ یہ بہت جھوٹ بولتے تھے کسی کے لیے آتا ہے سود کھاتے تھے کسی کیلئے آتا ہے لواطت کرتے تھے کسی کے لیے آتا ہے کہ یہ کم تولتے تھے کسی کے لیے آتا ہے کہ یہ قتل کرتے تھے ہم اپنا حال جب دیکھتے ہیں تو وہ سارے جرائم بیک وقت پوری شدت کے ساتھ ہماری قوم میں موجود ہیں تو یہ صورتحال کوئی زیادہ مناسب نہیں ہے اچھی نہیں ہے تسلی بخش نہیں ہے اس قوم میں جو اور نقائص ہونگے لیکن وہ اتنے شدید نہیں تھے جتنا شدید نقص یہ تھا کہ وہ کاروبار میں بد دیانتی کرتے تھے ہمارے ہاں کاروبار میں بد دیانتی کو فنکاری سمجھا جاتا ہے بڑے سے بڑا تاجر ہو یا چھوٹے سے چھوٹا بنائے گا یہاں اور یہ لیبل پر میڈان جاپان (MADE IN JAPAN) لکھ دے گا اصل کی جگہ نیچ دے گا وہاں سے لیکر چھوٹی چھوٹی دالیں اور مصالحے بیچنے والے کوئی نہ کوئی چیز اس میں ملاتے چلے جائیں گے وزن میں کمی کر دیں گے قیمت دھوکے سے زیادہ بنا دیں گے یا پھر اس میں کوئی چیز ملا دیں گے مرچوں میں اینٹیں پیس کر ملا دیں گے اس طرح کے سوالات کرتے رہتے ہیں یہ سارے اسی میں ہیں کہ لین دین میں بد دیانتی نہ کرو تو حضرت شعیب علیہ السلام نے جہاں بنیادی بات عقیدے کی کی دوسرے جملے عملی زندگی کو زیر بحث کیا یعنی صرف آپ عقیدے کی تبلیغ کرتے رہتے تو بات نہیں بنتی اور عملی زندگی کو زیر بحث لانے کے بجائے کسی کی عملی زندگی اس پر ٹھونسنا چاہیں کہ ایسا کرو نہیں تو تم کافر ہو یہ بھی درست نہیں ہاں عملی زندگی زیر بحث آنی چاہیئے انہوں نے فرمایا لوگو! میں دیکھتا ہوں تم اچھے بھلے ہو اللہ کا احسان ہے تم پر تمہارے پاس رزق ہے مال و دولت ہے تمہارے پاس زمینیں ہیں جائیدادیں ہیں کھاتے پیتے لوگ ہو پھر تمہیں کیا مصیبت ہے کہ بد دیانتی کرتے ہو جھوٹ بولتے ہو لینے دینے میں کمی کرتے ہو ہمارے ہاں کوئی ایک بات تو نہیں ہمارے ہاں تو دوائی لینے جاؤ وہاں آمیزش ہے پیٹرول لینے جاؤ اس میں آمیزش ہے آٹا خریدنے جاؤ اس میں آمیزش ہے کوئی یعنی کھانے کی چیز ہے پہننے کی چیز ہے کپڑا لینے۔ ہمارے ہاں آپ کو شاید علم ہوگا یا اگر نہیں تو عجیب بات سن لیجئے ہمارے ہاں یہ کپڑے شرنک کیوں ہوتے ہیں جاپان کا شرنک نہیں ہوتا امریکہ سے آتا ہے شرنک نہیں ہوتا، برطانیہ سے آتا ہے شرنک نہیں ہوتا کافر بناتے ہیں کپڑا شرنک نہیں ہوتا یہاں جو بنتا ہے کہتے ہیں جی پہلے ہی اسے دھو کر سوکھا لینا ورنہ یہ شرنک ہو جائے گا بھئی کیوں۔ اس لیے کہ ہمارے ہاں پورا نظام ہے کارخانوں کا جسے کہتے ہیں سائزنگ فیکٹریاں شاید آپ نے سنا ہو وہ سائزنگ کیا ہوتا ہے دس گز کپڑا انہیں دیں مشین میں کھینچ کر اسے وہ بارہ گز تان کر اوپر سے پریس کر دیتے ہیں وہ بارہ گز رہتا ہے یہ سائزنگ ہو گئی اس کی جب آپ اسے لیتے ہیں پانی میں بھگوتے ہیں تو وہ واپس دس گز ہو جاتا ہے یعنی اس کام کے لیے پورے پورے کارخانے جو صرف یہی کام کرتے ہیں نہ کپڑا بناتے ہیں نہ کپڑا بیچتے ہیں بڑے بڑے کارخانے ہیں فیصل آباد یہ کیا جی سائزنگ فیکٹری ہے ذرہ وہ کر بد کر پوچھو یہ سائزنگ ہے بلا کیا تو وہ کپڑے کو ایک گرم قسم کے پانی یا مختلف قسم سے نکال کر اس میں کیمیکل ہوتے ہیں

تو اُسے مشین ایک طرح سے کھینچتی چلی جاتی ہے اوپر سے ایک رولر بہت گرم جو ہوتا ہے پریس کرتا چلا جاتا ہے وہ کپڑا تقریباً بیس گز دیتے ہیں پچیس گز کا تھان وہ بنا لیتے ہیں اُب جب وہ بکتا ہے آپ نے قمیص لی میں نے شلوار لی بنیان لی وہ جب بل چکا اسے دھویا تو وہ چھوٹی آپ کی بھی میری بھی کپڑا شرنک ہو گیا بھئی شرنک کیا ہوا کپڑے کو کیا ہو گیا آخر روئی کے تار تھے گئے کہاں تو وہ جو فالتو زائد وہ جو کھینچ کر اسے وہاں وہ پریس کر دیا گیا تو وہ جو پریس اُس سے نکلا وہ گیلا ہوا ڈھیلا ہوا تو اپنی جگہ آ گیا آپ نے کبھی دیکھا جاپانی کپڑا شرنک ہوتے آپ نے کبھی دیکھا امریکہ کا برطانیہ کا کسی اور ملک کا ہے کپڑا شرنک ہوتے تو ان پر یہ چیک ہے کہ بے ایمانی نہیں کرو جتنی چیز جتنے پیسے لیتے ہو اتنی چیز دو یہاں کوئی پوچھنے والا نہیں مریض مرتے ہیں دوائی میں امیزش ہے کوئی ایک چیز ہو تو اُسے کوئی گنے دوسری بات جو یہاں شعیب علیہ السلام فرما رہے ہیں اپنی قوم کو فرماتے ہیں اِنِّیٓ اَرٰکُمۡ بِخَیۡرٍ۔ میں تو تمہیں اچھا بھلا دیکھتا ہوں تم کھاتے پیتے ہو تمہارے پاس مال و دولت ہے کیوں بے ایمانی کرتے ہو یہاں بھی دیکھو غریب بے ایمانی نہیں کرے گا امیر کرنے سے نہیں باز آئے گا۔ سائزنگ فیکٹری میں امیر اپنا کپڑا بڑھوائیں گے پٹرول میں امیزش بخت ور کرے گا کھانے پینے میں امیزش بخت ور کرے گا۔ غریب کے پاس ایسا کوئی کارخانہ نہیں ہے جس میں امیزش ہوتی ہو غریب اگر بیچتا ہے تو مجبوری سے جہاں سے وہ خریدتا ہے وہاں سے اسے ملاوٹ والی چیزیں ملتی ہیں کسی غریب کے ہاں آپ نہیں دیکھیں گے کوئی ملاوٹ کرنے کا اہتمام ہو یہ مصیبت بھی انہی کی ہے جن کے پاس پہلے بھی پیسہ زیادہ ہے وہ پھر بے ایمانی کرتے ہیں۔

تو انہوں نے کہا بھئی میں تو تمہیں اچھا بھلا دیکھتا ہوں لہٰذا ایسا کرو کہ اس سے باز آ جاؤ ورنہ اس کا نتیجہ یہ ہو گا۔

میں ڈر رہا ہوں کسی دن تمہیں اجتماعی طور پر ایسا عذاب آئے گا جو ساری قوم کو لپیٹ میں لے لے گا عذاب محیط سے ڈرو افراد کا مرنا افراد کا بیمار ہونا افراد کا گرفت میں آ جانا اتنی بڑی بات نہیں جتنا بڑا تماشہ بنتا ہے جب عوام گرفت میں آتی ہیں بے ایمانیاں کر کر کے جب کوئی طاعون پھیلتا ہے جب سمندر چڑھ دوڑتا ہے جب ہم پر کوئی کافر طاقت مسلط ہو جاتی ہے جب ہمیں مارا پیٹا جاتا ہے ہم کہتے ہیں یار چندہ کر دیا دعا کر دیا دیگ پکا دو یار دیگ سے اس چندے سے کیا ہو گا اس میں پھر تم بے ایمانی کرتے ہو اس کام کو ہم نہیں چھوڑتے جو ہم نے شروع کیا۔ چندہ کرنے والا اس میں سے کھا جائے گا دیگ پکانے والا بانٹے گا تھوڑی بچوں کو اپنے گھر زیادہ بھیج دے گا۔ یعنی اس میں بھی پھر ڈنڈی مارے گا بنگال میں ڈوب گئے جی ان کی مدد کرو مدد کرو اب دیکھ لینا لاکھوں لوگ کروڑوں روپے یہاں بنا لیں گے بنگالی وہاں مرتے رہیں گے افغان مجاہدین کے نام پر شمار نہیں ہو سکتی کتنی ایجنسیاں بن گئیں افغانوں کی مدد کے لیے ہمیں دو عراق کی مدد کے لیے ہمیں دو عراق کی مدد کے لیے ہمیں دو خدا کے بندو تم کسی عراق کے بنک کا نام بتاؤ جو دینا چاہتا ہے وہاں بھیج دے بنگلہ دیش کے اپنے بنک ہیں اس کو بتاؤ کہ بنگال کے بنک میں بھیج دو کوئی ایجنسی نہیں بتائے گی سب کہیں گے ہمیں دو ہمیں دو اب جو مل گیا اس میں سے بھی پتہ نہیں کتنا دیتے ہیں اس میں سے بھی ڈنڈی مارنے سے نہیں چوکتے بالکل باز نہیں آتے تو اللہ کریم نے اپنے نبی علیہ السلام کو یہ بات بتائی تو نبی علیہ السلام نے لوگوں کو فرمایا کہ بھائی اجتماعی عذاب جو ہوتا ہے وہ قوموں کو تباہ کر دیتا ہے اور دوسروں کے لیے سامان عبرت بن جاتی ہیں تو ڈرو اس دن سے۔

لینے دینے میں اپنے پیمانے اور اپنا ناپ کو بالکل کھرا رکھو و لا تبخسو الناس اشیاءھم اور لوگوں کے

مال پر حرص بھری نگاہ نہ رکھو۔ اور لوگوں کا خون مت چوسو۔ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ اور اللہ کی زمین پر فساد مت پھیلاؤ دوسرے کا مال ناجائز طور پر لے لینا سب سے بڑا فساد ہے سارے فساد کی بنیاد یہاں پڑتی ہے جب کوئی کسی کی عزت ناجائز طریقے سے لوٹتا ہے جب کوئی کسی کا مال ناجائز طریقے سے لیتا ہے جب کوئی کسی کے حق پر قبضہ کرنا چاہتا ہے کسی بھی حق پر دوسرے کا بنتا ہے میں لینا چاہوں آپ لینا چاہیں فساد شروع ہو جائے گا آپ کا اپنا حق بنتا ہے کوئی جھگڑے کی بات نہیں آپ لے لیں تو فرمایا ایسا کرو زمین پر فساد کا سبب نہ بنو اگر تمہیں یہ سمجھ آتی ہے کہ رشوت سے یا جھوٹ بول کر یا ملاوٹ کر کے ہمارے یہاں دیکھیں یہ لوگ کوئلے کا جو کاروبار کرتے ہیں یہ کروڑ پتی ہیں لیکن جتنے کروڑ پتی ہیں کوئی خالص کوئلہ نہیں بیچے گا نیچے سے اس میں کوئی مٹی ملائے گا کوئی بڑا چی ملائے گا پتہ نہیں کیا کیا کرتے ہیں پتہ نہیں اس دولت کو یہ کر جائینگے کہاں یہ کوئی طے نہیں ہے کہ یہ کہاں لے جائیں گے اتنا کھا نہیں سکتے اتنا پہن نہیں سکتے اتنا استعمال نہیں کر سکتے بینک میں رکھا رہ جائے گا مر جاؤ گے تو کیا فائدہ اس سے کیا حاصل ہو گا۔ کہ مرنے پر اتنا بینک بیلنس ہو تو کیا فائدہ ہو گا۔ لیکن اللہ ہی کسی کو توفیق دے تو ورنہ جن کا زیادہ پیسہ ہے وہ مائن سے ملا کر لاتے ہیں یہاں آکر بھی نہیں ملاتے وہاں سے ملا کر لاتے ہیں کہ کسی کو سمجھ نہ آئے۔

تو انہوں نے فرمایا کہ اگر تمہیں یہ ڈر ہو کہ یہ چھوڑ دینگے ملاوٹ تو اس میں سے بہت سا رزق رہ جائے گا ہم نہیں لیں گے تو آمدنی ختم ہو جائے گی جھوٹ نہیں بولیں گے تو پیسے نہیں ملیں گے تو فرمایا بَقِیَّتُ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔ تمہیں ایمان نصیب ہے تو اللہ کریم کی طرف سے جو چیز باقی رہ جائے گی اور جو حلال ہو گی وہ تمہارے لیے بہر حال حلال سے بہتر ہے وہ ایک لقمہ جو خالص بچ جائے گا ان دس روٹیوں سے بہتر ہے جو حرام ہیں۔

لیکن فرمایا ایک بات ہے میں تم پر تھانے دار نہیں لگا دیا گیا کہ میں سوٹا لے کر تم سے منواؤں میرے ذمے تمہیں بتانا ہے عقیدہ بھی اور عمل بھی نہیں مانو گے تو میں تم سے جھگڑا نہیں کروں گا میں تم پر فتوے دینے نہیں آیا میں تمہیں گالیاں دینے نہیں آیا میں تمہیں پتھر مارنے نہیں آیا نہیں کرو گے تو میں تم پر داروغہ مقرر نہیں ہوا کہ میں زبردستی کروں تو وہ کہنے لگے

تیری بندگی تیری عبادت تیری نمازیں تجھے یہ سکھاتی ہیں کہ ہم اپنا عقیدہ تبدیل کر لیں جو ہمارا باپ دادا جس کی عبادت کرتا ہے اس کو چھوڑ دیں تو اگر نیک ہے تو خود نیک ہے عبادت کرتا ہے تو تو خود کرتا ہے تیری عبادت اس لیے تو نہیں ہے کہ تو ہمیں ہمارے طریقہ عبادت سے چھڑوا دے یا مال و دولت ہمارا ہے کام ہم کرتے ہیں تجھے نہ ہم مزدوری کے لیے بلاتے ہیں نہ مشورے کے لیے بلاتے ہیں نہ تیرا سرمایہ اس میں شامل ہے تو یہ تیری عبادت تجھے یہ کہتی ہے کہ ہمیں اپنے مال میں تو تصرف کرنے سے روک دے ہم کسی کو سچ بتائیں جھوٹ بتائیں چوری کریں یا دیانت داری سے لیں یا بد دیانتی سے لیں تیرا اس میں کیا لینا دینا۔ تو تو اچھا بھلا شریف آدمی ہے تو کسی سے جھگڑا نہیں کرتا کسی کو بھلا برا نہیں کہتا کسی سے جھوٹ نہیں بولتا اللہ کریم کی عبادت کرتا ہے تو تو بڑا شریف اور نیک آدمی ہے پھر تو ہمارے ساتھ جھگڑا کھڑا کیوں کر رہا ہے خواہ مخواہ ہمارے مال پر بھی ہمیں تصرف کرنے سے روکتا ہے ہمیں ہمارے باپ دادا کے عقیدے سے بھی روکتا ہے

انہوں نے بڑے مزے کی بات کہی جس سے آج ہم محروم ہیں اور جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی شاہد عدل ہے فرمایا۔

دیکھو تم خود اس بات کی گواہی دے رہے ہو کہ میں بھلا آدمی ہوں اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ جو کام میں کرتا ہوں بھلا کام ہے جو عقیدہ میرا ہے وہ بھلا عقیدہ ہے اور یہ میرے رب کا احسان ہے کہ میں اس کی طرف سے ہدایت پر ہوں یہ بھی تم کہہ رہے ہو کہ میں تمہارے مال پر بھی نظر نہیں رکھتا میں اللہ جو مجھے رزق دیتا ہے میں اس پر قناعت کرتا ہوں تو میری بات سن لو وَمَا اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ۔ میں تمہاری مخالفت نہیں کرنا چاہتا۔ جب تم مجھے نیک سمجھتے ہو میں تمہیں برا نہیں سمجھتا اگر تم مجھے شریف آدمی سمجھتے ہو تو میں تمہیں یہ نہیں کہتا کہ تم بدکار ہو اور میں جن کاموں سے تجھے روکتا ہوں تمہاری مخالفت کرنے کے لیے نہیں روکتا تجھے نیچا دکھلانے کے لیے نہیں روکتا تمہیں رسوا کرنے کے لیے نہیں روکتا بلکہ مجھ سے جس قدر ہو سکے میں تمہاری اصلاح کے لیے بات کرتا ہوں تمہارے بھلے کی بات کرتا ہوں تمہاری بہتری کی بات کرتا ہوں۔

اور سب توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں لیکن لوگو اگر تم مجھے برا بھی سمجھو یہ صورت حال ہوئی کہ تم مجھے بھلا کہتے ہو لیکن اگر تم مجھے برا بھی تو میں تمہیں یہ بتا دوں کہ میری ضد میں اگر تم برائی میں اتنے آگے نہ بڑھتے جاؤ کہ نوح علیہ السلام ہود علیہ السلام کی قوم کی طرح تم پر کربناک عذاب آ جائے یعنی میری دشمنی میں اللہ کی عظمت کو مت بھولو اور لوط علیہ السلام کی قوم کو گزرے کوئی زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔

کچھ دور نہیں لہٰذا میں تمہیں سیدھی سی بات کہتا ہوں وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ توبہ کرنے والے کے سامنے توبہ کرو اور اسی سے بخشش چاہو اور اسی کے دروازے پہ جاؤ اسی لیے کہ وہ میرا بھی رب ہے اور میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں تم اسے بھول چکے ہو وہ بڑا رحم کرنے والا اور بے پناہ محبت کرنے والا ہے تم جس حد تک برائی کرتے ہو اس کے باوجود وہ تمہیں برداشت کرتا ہے تمہاری کمزوری تمہاری بے چارگی اور تمہاری بے بسی سے وہ واقف ہے اسے پتہ ہے کہ تمہارے ایک دانت کو درد چھیڑ دے تمہاری ایک آنکھ میں درد چھیڑ دے تمہارے سر میں درد چھیڑ دے تمہارے پیٹ میں بیماری پیدا کر دے ایک چھوٹا سا کیڑا تمہارے وجود میں پیدا کر دے تو تمہاری ساری اکڑ فوں نکل جائے وہ جانتا ہے جتنے تم بہادر ہو اسے خبر ہے پھر تم اس کے ملک میں رہتے ہو پھر تم اس کا رزق کھاتے ہو پھر تم اس کی نعمتیں استعمال کرتے ہو پھر تم اس کی نافرمانی کرتے ہو تو وہ کتنا کریم ہے کہ تمہیں برداشت کرتا ہے اب اگر ایسے کریم کے پاس تم واپس جاؤ اس سے معافی مانگو اس سے بخشش چاہو تو دیکھو وہ کتنا خوش ہو گا کتنی جلدی تمہیں معاف کر دے گا وہ کہنے لگے

کہ بات یہ ہے شعیب میاں تیری زیادہ باتیں تو ہماری سمجھ میں نہیں آئی تیری بات دوسری بات یہ ہے کہ ہم تجھے دیکھتے ہیں کہ تو کوئی اتنا بڑا آدمی نہیں ہے تیرے ساتھ کوئی زیادہ لوگ نہیں ہیں تو کوئی زیادہ لوگوں سے تکڑا نہیں ہے طاقتور نہیں ہے اگر تیرا قبیلہ نہ ہوتا تیرا کنبہ نہ ہوتا تو ہم تیرا حشر کیا کرتے تجھے پتھر مار مار کر سر بازار ہلاک کر دیتے۔

تجھے پتھروں سے مارتے ہم لیکن تیرے قبیلے کا لحاظ کرتے ہیں ہم تمہیں اللہ کریم سے ڈر نہیں آتا اس کی نافرمانی کرتے ہو اور جرأت یہ ہے کہ میرے قبیلے سے ڈرتے ہو تو میرا قبیلہ بھی تم اللہ سے زیادہ طاقتور سمجھتے ہو اسی کے ڈر پر مجھے چھوڑ رہے ہو اور اللہ سے ڈرتے ہوئے اس کی نافرمانی چھوڑنے پہ تیار نہیں۔"

اللہ کی عظمت کو تم نے پیٹھ پیچھے پھینک رکھا ہے لیکن فرمایا یاد رکھو اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ جو کچھ تم کرتے

ہو اللہ کریم اُس سب کو دیکھ رہا ہے اور بہت خوبصورت بات ارشاد فرمایا۔ اگر تم میری بات نہیں مانتے تو جو چاہتے ہو تم کرو مگر میں اپنا کام خود کروں گا۔ مَیں تمہارے پیچھے نہیں چلونگا۔

ہم میں تعصب یہ ہے کہ ہم میں اگر کوئی نیکی کرتا ہے تو وہ سب کو حکماً اُسی نیکی پہ لگانا چاہتا ہے اور جو نہیں کرتا دوسرے کو بھی نیکی سے روکنا چاہتا ہے۔

نفرت کے انداز میں نہیں، دوسرے کو فتح کرنے کے انداز میں نہیں، دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے نہیں کہ تم غلط تھے تم گمراہ تھے میں تگڑا ہوں مَیں اچھا ہوں میں ہدایت کرتا ہوں اسی لیے نہیں بلکہ دوسرے کی بھلائی کے لیے دوسرے کی بہتری کے لیے اور اگر وہ نہیں مانتا تو اسے یہ سنا دیا جائے کہ مجھ سے اس کی کسی کمپرومائز کی یا اسے آپ کیا کہیں گے کسی سمجھوتے کی امید نہ رکھنا کفر اور اسلام میں بُرائی اور نیکی میں درمیانی راستہ نہیں ہے تم اپنا کام کرو مَیں اپنا کام کرتا ہوں لیکن بغیر لڑے بھڑے بغیر کسی فساد کے بغیر کسی ٹوٹکار کے اس لیے کہ مَیں بھی اللہ کریم کے لیے کام کر رہا ہوں اسی زمین پہ بستا ہوں تمہارا واسطہ بھی اسی کی ذات سے ہے۔ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ تو پتہ چل جائے گا جلدی کہ عذاب کی گرفت کس پر آتی ہے وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ تو جو پکڑا جائے گا اس پر عذاب آئے گا تو یہ بات بھی واضح ہو جائے گی کہ یہی جھوٹا بھی تھا۔ وَارْتَقِبُوْا انتظار کرو اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ میں تمہارے ساتھ مَیں بھی انتظار کرتا ہوں تو جب انہوں نے نبی علیہ السلام کی اطاعت سے انکار ہی کر دیا یہ طے ہی کر لیا کہ ہم بات نہیں مانیں گے تو اللہ کا عذاب آگیا۔ جب ہماری گرفت آئی۔

ہم نے اپنے نبی علیہ السلام کو بھی اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کو بھی اپنی رحمت کے سائے میں ڈھانپ لیا اور ظالموں کو ایک سخت اور شدید طوفان نے پکڑا فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ تو اپنی آبادیوں میں صبح ہونے تک تباہ ہو چکے تھے کوئی شخص کھڑا ہونے کے قابل نہیں تھا اور گھٹنوں کے بَل پڑے تھے فِيْهَا۔ یوں نظر آتا تھا جیسے کل کوئی آدمی یہاں بستا نہ تھا۔ اس طرح اُجڑیں آبادیاں کہ یوں سمجھ آتا تھا کہ یہ ویرانے ہیں یہاں کبھی کوئی انسان بسا نہیں۔

فرمایا تباہ ہو گئے اہل مدین جس طرح پہلے ثمود تباہ ہوئے تھے تو یہ ان تیرہ چودہ آیات کا ترجمہ تھا جو میں نے عرض کیا۔

ہمارے لیے اس میں ایک بڑی روشن راہ ہے کہ ایک پہلی بات تو یہ ہے کہ دین عقیدے اور عمل کا نام ہے ہم اسے جُدا نہیں کر سکتے کہ عقیدہ بنا دو تو ٹھیک ہے نجات ہو گئی یا کام اچھا کرتے ہیں عقیدہ صحیح نہیں ہے درست ہو گیا نہیں دین نام ہے عقیدے اور عمل کا عقیدہ بھی صحیح ہونا چاہیے اور عمل بھی درست ہو تبلیغ نام ہے اس چیز کو دوسرے تک پہنچانے کا دوسرے کی بھلائی کے لیے انسانیت کی محبت میں دوسرے کی بہتری کے لیے دوسرے کو طے کرنے اور اس کو نیچا دکھانے یا اسے رسوا کرنے کے لیے نہیں۔ اور اگر وہ نہیں مانتا تو اس کے ساتھ فساد نہ کیا جائے اسے اللہ پہ چھوڑ دیا جائے کہ فیصلہ تو اسے کرنا ہے میرے ذمے تھا اس کی اطاعت بھی کروں اور اس کا فرمان آپ تک پہنچاؤں بھی۔ اس کے بعد معاملہ آپ کا بھی اس کے پاس ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم سب نے دین کا ایک جزء پکڑ رکھا ہے اگر ہم ذکر اذکار کرتے ہیں تو ہمیں یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ہم کہیں کہ جو ذکر نہیں کرتا وہ مسلمان نہیں ہے یہ کیا ٹھیک ہے۔ دوسرا اگر کوئی دوسرے انداز میں کام کرتا ہے تو اس کا وہ خود ذمہ دار ہے کہ اس کام کو شریعت کے مطابق کرے ہمیں تکفیر کرنے کے بجائے جو متفرق اسلامی کام ہو رہے ہیں ان کو ایک اجتماعی شکل دینے کی ضرورت ہے مل بیٹھنے کی ضرورت ہے جیسے ایک

شخص پتھر بنا لیتا ہے دوسرا دیوار کھڑی کر لیتا ہے تیسرا لپائی کر سکتا ہے چوتھا چھت ڈالنے کا ماہر ہے پانچواں دروازہ لگا لیتا ہے اگر پانچوں مل کر لگائیں تو مکان بن سکتا ہے لیکن پانچوں اپنا اپنا کام کرتے رہیں میٹریل مکان ہی کا بنتا رہے گا لیکن مکان ساری زندگی نہیں بنے گا۔ یہی حال ہمارے دینی شعبے کا ہے کہ ہم نے ایک ایک بات بانٹ رکھی ہے اور زیادتی یہ ہے کہ دوسروں کو کافر کہہ دیا جاتا ہے کہ جو یہ نہیں کرتا وہ مسلمان ہی نہیں ہے یہ بڑی زیادتی کی بات ہے ہمیں صرف اپنے آپ کے لئے نہیں اپنے لیے بھی اپنی قوم کے لیے بھی اپنی آنے والی نسلوں کے لیے بھی اپنے رویے پر نظر ثانی کرنا ہوگی ہمیں دیکھنا ہوگا کہ ہم وراثت میں آنے والی نسل کو دے کر کیا جا رہے ہیں میرے خیال میں اب جو ہماری صورت حال ہے۔ شاید ہم آنے والی نسل کو بھی فساد ہی دے کر جا رہے ہیں جتنے ہی ہم آگے پہنچا رہے ہیں اور تباہی کی بنیاد ہی ڈال رہے ہیں تو کم از کم ہمیں اگر اپنی پرواہ نہیں ہے تو ان معصوموں کی طرف ضرور دیکھنا چاہیئے جو ہماری گودوں میں کھیل رہے ہیں کل یہ کس چیز کو سامنے لائیں گے اور انہیں کن حالات کو FACE کرنا ہوگا۔ اللہ کریم ہمیں دین کی سمجھ عطا فرمائے ہمارے گناہوں کو معاف فرماتے ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرمائے اور تمام مسلمانوں کو اپنی اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پہ فرمائے سب کو مل بیٹھنے کی توفیق دے اور عالم اسلام کو عزت و سربلندی نصیب فرماتے مجاہدین اسلام کی مدد فرمائے ۔ (وآخر دعونا ان الحمد اللہ رب العٰلمین ۔)

بقیہ : قِبلہ کا تعیّن

ترجمہ کہہ دو اللہ کہہ کر یا رحمٰن کہہ کر پکارو۔ جس نام سے پکارو اسی کے عمدہ نام ہیں اور اپنی نماز میں نہ چلا کر پڑھو اور نہ بالکل ہی آہستہ پڑھو اور اس کے درمیان راستہ اختیار کرو۔

تشریحی نکات ۱۔ عرب میں حق تعالیٰ کے لیے اللہ کا لفظ بطور اسم ذات کے شروع سے چلا آ رہا تھا۔ یہود کے ہاں اسم "الرحمٰن" کا استعمال جاری تھا۔ اسلام نے دونوں الفاظ استعمال کرنے شروع کئے تو بعض "دانشمند" مشرکین نے کہنا شروع کیا کہ توحید کامل کے دعوے کے ساتھ ساتھ یہ دو دو نام کیسے۔ جواب ملا کہ یہ تو صرف دو نام ہیں۔ ہستی اور ذات تو ایک ہی ہے۔ پس خدائے قدوس وحدہٗ لاشریک لہٗ کو ہم بعض [illegible] ذاتی اور بعض اوقات صفاتی نام سے پکارتے ہیں۔ اس [illegible] مشرکو [illegible] یہ خیال نہ ہو کہ ہمارے معبود کئی ہیں۔

[illegible] نماز جہری میں قرآن مجید کی قراءت بلند [illegible] مشرکین معاندین چڑتے تھے اور طرح طرح کے خرافات بکنے لگتے تھے، جس سے نمازیوں کے قلب میں بھی تشویش پیدا ہو جاتی تھی۔ اس لیے آپ کو ہدایت کی گئی کہ نماز میں جہر صرف اس حد تک رکھنے کہ بس نمازیوں کے کان تک آواز پہنچ جاتے اور ان کی تعلیم میں کمی نہ رہ جاتے۔ باقی اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں۔ پس افراط و تفریط چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرو۔

سوال آپ کا
جوابْ شیخ المکرّم کا

سوال: نفس انسان کو بُرائی کی طرف لے کر جاتا ہے کس طرح اسکو اللہ کی طرف لے کر جاتے ہیں؟

جواب: یہ بات نہیں ہے کہ نفس انسان کو سب سے بُرائی کی طرف لے جاتا ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ نفس جس کو بُرائی کی طرف لے کر جانے کا کہا گیا ہے یا جسے بُرا کہا جاتا ہے یہ ہے بلا کیا؟ جہاں تک عربی لغت کا تعلق ہے تو عربی میں بعض اوقات ایک لفظ کا معنی دو سو سے تجاوز کر جاتا ہے اور عربی ایک ایسی خوبصورت زبان ہے کہ جس کے الفاظ ایسے معنی دیتے ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں بالکل معنی ایک دوسرے کا الٹ ہوتا ہے اور وہ محاورے اور موقع کی مناسبت سے متعین کیا جاتا ہے تو اس طرح سے نفس بہت سے معنی میں استعمال ہوا ہے کسی جگہ نفس سے مراد انسان کی پوری ذات لی گئی ہے کسی جگہ نفس سے مراد قوت غضبیہ کے اظہار کو لیا گیا ہے کسی جگہ رُوح کو مراد لیا گیا ہے اُن سب سے الگ جو یہ نفس شمار ہوتا ہے کہ بُرائی کی طرف لے جاتا ہے یا بُرائی پہ اکساتا ہے یا نقصان دیتا ہے یہ بلا کیا ہے تو نفس جو ہے اس کی تعیین یہ فرمائی گئی ہے کہ انسان میں جب یہ چاروں اخلاط ملتی ہیں گرمی سردی اور یہ پانی ہوا یا مٹی، جو کچھ ہے اِن کے ملنے سے ایک شعلہ کہہ لیں آپ ایک بخارات کی قسم کی کوئی شے ایک انرجی کہہ لیں اِن چاروں کے ملنے سے ایک انرجی پیدا ہوتی ہے جو جسم کو حیات سے آشنا کرتی ہے جسم میں حرکت پیدا یا جسم میں ضرورت کا احساس پیدا کرتی ہے یہ عقل، شعور، نگاہ، ہاتھ پاؤں، اعصاب کو حیات سے آشنا کرتی ہے تو وہ کیفیت جو ہے اُس کا ایک خاصہ ہے کہ اُس کی وجہ سے ضرورتوں سے آشنائی پیدا ہوتی ہے۔

تو جب ضروریات پیدا ہوتی ہیں یا ضروریات کا احساس اور شعور پیدا ہوتا ہے تو ان کی تکمیل کے لیے انسان بھاگتا دوڑتا ہے اور اپنے دائیں بائیں بکھری ہوئی کائنات میں سے اپنی ضرورتوں کو پُورا کرتا ہے اپنی خواہشات کی تکمیل کرتا ہے اور یہ اس کا فطری عمل ہے اور یہ ہر حال میں ہوتا ہے لیکن انسانی حیات جو ہے اس میں

صرف یہی نفس نہیں اسے نفس بھی کہتے ہیں رُوح حیوانی بھی کہتے ہیں جس کی وجہ سے حیات اپنا عمل کرتی ہے اِس کے ساتھ انسان کے اندر ایک لطیفہ ربانی بھی ہے جسے رُوح کہا گیا ہے۔ جانوروں کی جو ارواح ہیں وُہ یہی ہیں جسے آپ نفس کہہ رہے ہیں لیکن انسانوں میں اس سے بالاتر عالم امر کا ایک لطیفہ ربانی بھی ہے جسے رُوح کا نام دیا گیا ہے اس رُوح کی وجہ سے انسان میں ایک شعور در آیا ہے عالم ملکوت عالم بالا اور ذاتِ باری کو جاننے اور سمجھنے کا اور اپنا تعلق اس ذاتِ ہمتا سے پیدا کرنے کا کہ وُہ کس طرح سے ہوگا میری حیثیت کیا ہوگی اُس کی حیثیت کیا ہوگی ہمارے درمیان رشتہ کیسے ہوگا اور وُہ قائم کیسے رکھا جا سکتا ہے جتنی حیات ہے زمین پر اُس میں اور انسان میں ایک فرق آگیا کہ باقی ساری حیات تو صرف وجود کی زندگی برقرار رکھتی ہے اُسے غذا بھی حاصل کرنا ہے پانی بھی پینا ہے دُوسری جو اس کی جسم کی ضروریات ہیں وُہ پوری کر کے اُسے جب تک اللہ باقی رکھنا چاہتا ہے تب تک اُس کا وہ توازن جو ہے وُہ مختلف اخلاط کا وُہ برقرار رہتا ہے اور وُہ زندہ رہتا ہے تو جب اللہ چاہتے ہیں تو وُہ توازن بگڑ جاتا ہے وُہ مرجاتا ہے یا کسی اور طرح سے اُس پر موت مسلط کر دیتے ہیں وُہ مرگیا اور بات ختم ہوگئی۔ وُہ اجزاء بکھر گئے ان کے ساتھ ہی وُہ نفس بھی بکھر گیا اور بات قصہ ختم ہوگیا لیکن انسان کے یہ اخلاط بکھر بھی جائیں اور وُہ قوت جو حیاتِ حیوانی ہے وُہ ختم بھی ہو جائے تو بھی اُس میں جو رُوح، لطیفہ ربانی ہے وُہ چونکہ صفاتِ باری سے متعلق ہے براہ راست تو اللہ کی نہ ذات فانی ہے نہ اس کی صفات فانی ہیں امر بھی تو اُس کی صفت ہے نہ اُن کے نتائج فانی ہیں تو صفات سے متعلق اگر رُوح کا رشتہ ہے تو وُہ بھی لافانی ہے رُوح کو ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے اب ہر رُوح کا بدن کے جن ذرات سے تعلق قائم کیا گیا ہے وُہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔ جب رُوح باقی رہ گیا تو وُہ تعلق بھی باقی رہ گیا۔

تو انسانی ضرورت یہ ہے کہ اُسے صرف اپنی مادی یا جسمانی ضروریات پورا نہیں کرنی بلکہ ان ضروریات کو پُورا کرنے کے ساتھ ساتھ اُسے وُہ اسلوب اور انداز اپنانا ہے جس سے رُوح کا نقصان نہ ہو کم از کم یہ ہے کہ وُہ اُس کی جسمانی ضروریات پُوری ہوں اور رُوح کی جو کیفیت ہے وُہ زائل نہ ہو اُس کا نقصان نہ ہو۔ اسلام نفس کو روکتا نہیں ہے اپنی ضرورت کی تکمیل سے اُسے بھوک لگتی ہے تو وُہ کھائے اُسے دولت چاہیے تو وُہ کمائے اُسے لباس چاہیے تو وُہ پہنے اُسے گھر چاہیے تو وُہ بنائے اُس کی اولاد ہے تو اُس کی تربیت کرے دوستی اور دشمنی رکھے لیکن وُہ نفس اپنی پسند سے اپنی مرضی سے جمع نہ کرے نہ چھینے۔ اُسے ایک انداز بتا دیا گیا ہے ذاتِ باری کی طرف سے کہ اس طرح سے تم کماؤ اس طرح سے خرچ کرو اس طرح سے کھاؤ اس طرح سے پہنو اس طرح سے رہو تو اگر اس بات کو قبول نہیں کیا گیا تو وُہ نفس نفسِ امارہ بن جائے گا اس لیے نہیں کہ اُس نفس میں خرابی ہے اس لیے کہ اُس پر آپ نے کوئی پابندی لگائی ہی نہیں اور اپنی ضرورتیں تو اسے ہر حال میں پوری کرنی ہیں اُن ضرورتوں کو پُورا کرنے میں جب وُہ اپنی پسند پہ عمل کرے گا اپنی مرضی سے کام کرے گا تو اُس میں اللہ کی نافرمانی ہوگی۔ جو رُوحانی اور انسانی عظمت کا پہلو ہے وُہ اُس میں مجروح ہوگا اُس کا نقصان ہوگا۔ تو اُس نفس کو نفسِ امّارہ کہا گیا ہے۔ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ۔ ذاتی طور پر تو نفس کو بھلائی برائی کی تمیز نہیں جب وُہ اپنی پسند سے کرتا ہے تو وُہ برائی ہوتی ہے۔ چونکہ اُس میں اللہ کی اطاعت کا شائبہ نہیں ہوتا تو وُہ برائی ہوتی ہے کام تو ایک ہی ہوتا ہے۔ کمانا یا کھانا۔ ایک ہی کام ہے۔ لیکن اگر اللہ کی اطاعت سے کیا جائے تو نیکی ہے اور اگر اُس کے خلاف کیا جائے تو برائی ہوگی۔

اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ۔ لیکن اگر اللہ سے تعلق ہو جو نورِ ایمان کا ہے اور پھر اُس کے ساتھ رُوح کی ضروریات کا اور اس کی نگہداشت کا اہتمام ہو تو ضرورت بن جاتی ہے کہ نفس اپنی پسند سے وُہ کام نہ کرے بلکہ اپنی بھوک مٹانے کے لیے وُہ طریقہ اختیار کرے جو اللہ، اللہ کے رسول

صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے کمانے کے لیے وُہ راستہ اختیار کرے جو اللہ؛ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے تو وُہی نفس جو ہے پھر وُہ نیک بن جلئے گا یا پھر ترقی کرتے کرتے نفس کی وُہ حیثیت ختم ہو جاتی ہے اور اس پر مکمل طور پر رُوح کا غلبہ آ جاتا ہے رُوحانی ضروریات جو ہوتی ہیں وُہ مقدم ہو جاتی ہیں ۔جسمانی حاجات اس طرح پُوری کی جاتی ہیں کہ رُوح کا نقصان نہ ہو تو وہ نفس مطمئنہ بن جاتا ہے ۔ہوتا تو وہی نفس ہے وہی امارہ بھی تھا وہی مطمئنہ بھی ہو گیا وہی لوامہ بن جاتا ہے جب وُہ بین بین ہوتا ہے تو قرآنِ حکیم نے اس کے تینوں نام شمار فرمائے ہیں ۔

نفسِ امارہ لوامہ اور مطمئنہ قرآن میں موجود ہیں ۔ امارہ وُہ صُورت ہے جب اُس کا رشتہ اللہ کے ساتھ کمزور ہو ۔رُوحانی دُنیا سے ناواقف ہو اپنی من مانی کرے ۔ تو امارۃ بسوء ہو گیا ۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ آپ جب ایک بات کو مانتے ہیں تو اس کی چھاپ آپ کے کردار پر آنی چاہیئے ۔ پتہ چلنا چاہیے کہ آپ اس حقیقت کے ماننے والے ہیں ۔ تو یہ صورت جب آ جاتی ہے تو اُس وقت اگر آدمی کا جی چاہتا ہے دنیوی لذات سے للچا کر یا دنیا کی خواہشات سے للچا کر سینہ چھپٹی کرنے کو تو اُس کے اندر کا ضمیر اُسے کہتا ہے کہ تم نقصان کرو گے ہو ایسا نہ کرو ۔ تو وُہ رک بھی جاتا ہے ۔کبھی کبھی تو کر گزرتا ہے ۔ تو یہ حال جو ہوتا ہے یہ نفس کا بین والا ہے اسے نفس لوامہ کہتے ہیں کہ گناہ پر قرار نہ ہو اور اندر سے آواز آتی رہے جب اس سے ترقی کرتا ہے تو کلی طور پر رُوحانی کیفیات کا اُس پر غلبہ ہو جاتا ہے اور ہر کام کو پھر اسی نگاہ سے دیکھتا ہے کہ میری وُہ رُوح کی جو خصوصیات ہیں وُہ صرف محفوظ ہی نہ رہیں بلکہ وُہ ترقی کریں اور اور انہیں قربِ الٰہی نصیب ہو اور وُہ اپنی منازل کو اپنے مقاصد کو پائیں چونکہ رُوح تو ہے عالمِ امر سے ۔ تو اس کی تربیت میں پہلی بات یہ ہو کہ کم از کم وجودِ انسانی میں آنے کے بعد اس کا رشتہ عالمِ امر سے استوار ہو کسی نہ کسی طرح کا یہ ہے نورِ ایمان ۔

پھر عمل کے ساتھ رُوح کی رسائی جوں جوں عالمِ بالا کی طرف ہوتی ہے تو یہ اگر ترقی کرتے کرتے عالمِ امر تک پہنچ گیا تو بمشکل گھر تک واپس آیا ۔یعنی اگر کسی کو اتنی بلندی نصیب ہو جائے رُوحانی کہ زمین پر:

ہو ترش برخاک وجان در لامکان
لامکان فوق وہم سالکان

عام آدمی یا عام صُوفی کی سوچ سے بہت بلند ہے وُہ مکان اگر کوئی اس حال کو پہنچے کہ زمین پہ چلتا پھرتا ہے جسم اس کا لیکن اس حال میں بھی اس کی جان یا رُوح لامکان میں ہے ۔ تو وہ بمشکل گھر پہنچا ہے اس سے آگے اگر چلے گا تو یقیناً وُہ ترقی کر رہا ہے لامکان وہاں سے شروع ہوتا ہے جہاں تخلیق کی حدود ختم ہو جاتی ہیں تو نفس صرف بُرائی کا طعنہ دینا بھی کوئی معقول بات نہیں ہاں جب ہم اُس کی پرواہ نہیں کرتے تو اُسے اپنی ضروریات تو پُوری کرنی ہیں جو کچھ وُہ کرتا ہے اُسے وُہ برائی ہوتی ہے اب یہ بات تو تعلق اور رشتوں کی ہے سب سے پہلے تو انسان کو اپنی رُوح کا ادراک ہو کہ میں ایک ایسی مخلوق ہوں جس میں ایک لطیفہ ربانی رُوح نام کی شے ہے پھر اُس کی ضروریات کا احساس ہو اور اُن کی تکمیل کا پتہ ہو کہ کیسے ہوں گی کہاں سے ملیں گی کس دکان سے ملے گی ۔ تو بعثت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بعد صرف ایک ہی دروازہ ہے اِن نعمتوں کے ملنے کا اور وُہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع؛ اتباع کے لیے شرط ہے تعلق اور وُہ تعلق محبت کا ہو وُہ رشتہ الفت کا ہو پیار کا ہو تو جوں جوں وُہ بڑھتا جائے گا توں توں یہ نعمتیں بڑھتی جائیں گی تو یہ نفس امارہ سے لوامہ ، لوامہ سے مطمئنہ بن جائے گا ۔

سوال: رُوح عالمِ اُمر سے آئی عالمِ اُمر کے کئی دائرے ہیں تو یہ کسی خاص دائرے میں ہوتی ہے وہاں ؟

جواب: اس کا سارا جہاں ہی اپنا ہے ۔ دائرے واپس جانے والوں کے لیے ہیں کہ کون کہاں تک پہنچتا ہے آنے والے کی کوئی تعین نہیں ہوتی ۔ آنے والا ایک کیفیت ہے ایک تجلی باری ہے کسی ایک خاص نقطے سے شروع نہیں ہوتی بلکہ انسان سمجھ ہی نہیں سکتا

اسی لیے قرآن حکیم نے اس موضوع کو یہ کہہ کر بند کر دیا قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّی۔ کہہ دیجئے کہ رُوح عالم امر سے امر ربی سے ہے وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا۔ اس سے زیادہ تم سمجھ ہی نہیں سکتے تمہیں اللہ نے سمجھنے کی استعداد ہی نہیں دی اس سے زیادہ کی بحث فضول ہے۔ اس کی ماہیت اس کی کیفیت اس سب کو سمجھنا ممکن نہیں ہے انسان کو اتنا علم دیا ہی نہیں گیا۔

سوال: شکر کا معنی کیا ہے؟

جواب: شکر کا معنی نہیں ہوتا شکر ایک کیفیت ہے کیفیات کے معنی نہیں ہوتے جب سے معنوں میں آیا ہے تب سے لوگوں نے چھوڑ دیا ہے شکر ایک کیفیت ہے جو آپ کو اللہ کی نافرمانی سے روک دے خواہ آپ زبان سے شکر کا کلمہ کہتے ہیں یا نہیں کہتے لیکن آپ کے اندر ایک کیفیت آجائے جو اللہ کی نافرمانی سے روک دے تو آپ اللہ کے شکر گزار بندے ہیں۔

سوال: ظاہری بیعت کے بغیر بھی مراقبات ہو سکتے ہیں؟

جواب: ظاہر بیعت ایک مسنون عمل ہے اس کی ایک اپنی برکت ہے لیکن اگر بیعت ظاہری نہ بھی کی جائے تو ساری تربیت ہو سکتی کیونکہ بیعت کا جو مفہوم ہے وہ نسبت قلبی یا رشتہ دلی یا تعلق یہ ظاہری بات تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے بہت مبارک ہے اور اس کا ایک اپنا اثر ہے کہ انسان کو ذہنی طور پر ایک طرح کی زنجیر پہنا دیتی ہے آدمی ذہنی طور پر اپنے آپ کو منسلک تصور کرنے لگتا ہے یہ نہ ہو تو ہر آدمی میں اتنی جرأت نہیں ہوتی کہ اس کے بغیر بھی اپنے آپ کو ساتھ جکڑا ہوا محسوس کرے اس لئے بہت سارے گہرے شعور کی ضرورت پڑتی ہے تو اسلام میں چونکہ آسانیاں ہی آسانیاں ہیں اس لیے اللہ نے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہری بیعت کو سنت قرار دے کر آسان راستہ بنا دیا۔ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو کسی خاص استعداد کے لوگوں کے لیے نہیں ہے لیکن لوگوں میں استعداد ہوتی ہے وہ الگ بات ہے تو جن میں اعلیٰ استعداد ہو وہ آگے چلتے ہیں لیکن یہ بنیادی بات ہے اور اس میں ہر آدمی شامل ہے ایک عام آدمی جسے کوئی شعور نہیں وہ ظاہری بیعت کرے تو وہ اپنے اندر سے اپنے آپ کو متعلقین میں شمار کرنے لگ جاتا ہے ایک کیفیت اس پہ آجاتی ہے اس کا ایک نتیجہ ہے لیکن اس کے بغیر اپنے آپ کو متوسلین اور متعلقین میں شمار کرنے کے لیے بہت گہرے شعور کی ضرورت ہے جو ہر آدمی کے پاس نہیں ہوتا تو یہ اللہ نے آسان فرما دی لیکن اگر استعداد ہو اور شیخ توجہ دے اور تعلق ہو تو اس کے بغیر بھی سارا کام ہوتا رہتا ہے۔

سوال: حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالا گیا اس کی وضاحت فرمائیے۔

جواب: جنت سے نکلنے کی بات ہی فضول ہے جنت سے کب نکلے ہیں۔ عام آدمی کہتے رہیں تو کہتے رہیں میاں آدم علیہ السلام تو پیدا ہی زمین کے لیے گئے تھے۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً وہ پیدا ہی زمین کے لیے گئے تھے ان کی تخلیق سے پہلے فیصلے ہوئے تھے کہ زمین پر رہیں گے تو پھر نکلنے کا کیا مطلب ہوا۔ جنت میں رہنے کے لیے تو انہیں پیدا ہی نہیں کیا گیا تھا۔ جنت تو زمین سے واپس جا کر رہنے کی جگہ تھی یہ تو غلط العام ہے لفظی ترجموں کو لے کر لوگ بھٹکتے پھرتے ہیں جنت سے نکلنا جو تھا وہ غضب الٰہی کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ وہ پیدا ہی زمین پر رہنے کے لیے کئے گئے۔ واپس پہنچنا تھا انہیں۔ ان کی اولاد جو جنت میں پہنچی وہ جنت میں پہنچ گئی۔ جو جنت میں نہ پہنچ سکی اس کے لیے دوسرا گھر موجود ہے کہیں گھر تو پہنچے گی۔ جنت سے آنا جو اس میں تھا۔ بات صرف اتنی تھی کہ اللہ تعالےٰ نے پہلے پہلے انسان اور اس کے جوڑے کو زندگی گزارنے کا ڈھنگ سکھانے کے لیے جنت میں رہنے کا موقعہ بخشا کیسی جگہ بنائیں یا کاروبار کیسے ہوگا یا چارپائی کیسے بچھے گی یا بستر کیسے ہو، کھاؤ گے کیسے پکاؤ گے کیسے یہ سب کچھ وہاں تو پہلے سے تھا دنیا پہ تو حیات انسانی تھی نہیں۔

اب کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کا تعلق اللہ کریم نے خود بعض نتائج سے مربوط طور پر کر دیا ہے جیسے انسانی غذا میں بعض غذائیں ایسی ہیں

کہ اگر ان کو آپ انسان کی غذا سے نفی کر دیں تو اُس میں وہ بشری خصوصیات نفی ہو جاتی ہے آپ نے سُنا ہوگا اور حدیث شریف میں بھی ہے کہ جسے شادی کی توفیق نہ ہو وہ کثرت سے روزے رکھا کرے یعنی خوراک کی جب کمی آئے گی تو اُس میں شہوانیت کی کمی آجائے گی اُسے پریشانی نہیں ہوگی۔ تو زمین پہ جو انسانی غذا بننے والی تھی جس میں جس کا نتیجہ یہ تھا کہ انسان میں حیوانی اوصاف بیدار ہوں اُس کے کھانے سے آپ کو روک دیا گیا آپ کو یہاں رہنا ہے یہ نہیں کھانا ساتھ اللہ کو تربیت بھی منظور تھی وہاں یہ تجربہ بھی کرا دیا گیا کہ شیطان آپ سے کیسا سلوک کرے گا جنت سے تو آپ کو آنا ہی تھا جسے قرآن کریم نے خطا یا نسیان کا نام دیا ہے وہ ہماری نسبت خطا نہیں تھی ہماری خطا اور ہوتی ہے۔

اور نبی علیہ السلام کی خطا یہ تھی ہماری قرآن کریم بتاتا ہے۔ اس نے اللہ کی قسم کھائی کہ میں تمہارے لیے نصیحت کر رہا ہوں اللہ کی قسم یہ کھا لو گے تو آپ ہمیشہ یہیں رہیں گے۔ قرب الٰہی میں، محبت الٰہی میں اُس کی قسم پر اللہ کی عظمت پہ اعتبار کرتے ہوئے دھوکا کھا گئے اور فوراً اس پہ احساس بھی ہو گیا کہ ہم سے یہ خطا ہو گئی۔ رہنا زمین پر تھا وہاں چلے آئے لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مائی صاحبہ کو کہیں اور اتارا گیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو کہیں اور وہ انسیت جوان میں پیدا ہو گئی تھی۔ وہ تقریباً تین سو سال کی جدائی نے انہیں بہت زیادہ رُلایا یا بہت زیادہ تکلیف کا سبب بنی، دکھ کا سبب بنی تو حاصل یہ ہوا کہ انسان بہر حال انسان ہے شیطان اُس کا دشمن ہے خواہ وہ اللہ کی عظمت کی قسم کھا کر کہے تو بھی دھوکہ ہی کرے گا اور تیسری بات یہ کہ خطا بہر حال خطا ہوتی ہے نادانستہ بھی ہو جائے تو کم از کم دنیوی نقصان جو ہوتا ہے اُس سے مادی نقصان ضرور ہوتا ہے شعوری طور پر نہ ہو آدمی توبہ کرے تو خطا معاف ہو جاتی ہے جیسے زہر کھا لی ہو تو تریاق کھانے سے صحت مند تو ہو جاتا ہے لیکن بہر حال کچھ نقصان تو وہ کر جاتی ہے کچھ نہ کچھ تباہ کر جاتی ہے۔ تو اسکے نتائج حاصل ہوئے عصمت انبیاء علیہم السلام جو ہوتی ہے اس کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام گناہ کا سوچتا بھی نہیں ایک بات دوسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی بات خطاءً نبی علیہ السلام سے سرزد ہو جائے نبیؑ علیہ السلام اُس پہ قائم نہیں رہتا فوراً اس کی اصلاح کر دی جاتی ہے نبی علیہ السلام خود بتا دیتا ہے کہ یہ کام مجھ سے جو ہوا وہ صحیح نہیں تھا خطاءً ہو گیا۔ اجتہادی خطا بے ساختگی کی وہ عصمت کے خلاف نہیں ہوتی۔

سوال:۔ ذکر کرنے میں خیال آتے ہیں کیسے ختم ہوں؟

جواب:۔ جو چلے جائیں گے اس دُنیا سے انہیں خیال نہیں آئے گا اگر یہاں خیال آنا چھوٹ جائیں اور کوئی رکاوٹ نہ ہو آدمی آسانی سے ذکر ایک روٹین میں کرنے لگے تو اسے ثواب کس بات کا پھر تو ترقی فرشتوں کو ملنی چاہیے جو روٹین ورک ہمیشہ سے کرتے ہیں انسان کو ملتی اس لیے ہے کہ اُسے طرح طرح کے وساوس گھیرتے ہیں خیالات آتے ہیں ضروریات ہوتی ہیں مجبوریاں ہوتی ہیں ان سب کو چھوڑ کر وہ اطاعت الٰہی کے لیے محنت اور مجاہدہ کرتا ہے تو اس کا اجر مرتب ہوتا ہے قرب الٰہی کا۔ خیالات کا بڑا آسان سا نسخہ ہے کہ ان کے پیچھے نہ لگو تو آنا چھوڑ دیتے ہیں سوچتے رہو زیادہ آتے ہیں تھوڑی سی اس میں رطیف ملتی ہے تو اُس میں سراد ملتا ہے تو آدمی سوچتا ہے سوچتا رہے تو وہ بھی آتے رہیں گے دو تین باتیں ممکن نہیں ہیں۔ ایک یہ کہ ایسا ہوتا آٹومیٹک ہو جائے کہ تہجد کو اُٹھتے ہوئے کبھی کوفت نہ ہو اگر مشکل ہی نہ ہو تو ثواب کس بات کا۔ ہمیں تو ابھی تنگ ہوتی ہے عمر گزر گئی پڑھتے ہوئے تہجی، پھر بھی صبح اپنے آپ کو پکڑ کر اُٹھانا پڑتا ہے "اُٹھو میاں بدھو دیر ہو گئی ہے" تو اگر یہ نہ ہو تو ثواب اُس میں نہیں ایک آدمی کو نیند ہی نہیں آتی تو وہ ساری رات جاگتا ہے اُسے کس بات کا ثواب ملے گا۔ ایک آدمی میں شہوانیت ہے ہی نہیں وہ بُرائی نہیں کرے گا تو اُسے کس بات کا ثواب ملے گا۔ ایک آدمی بازار میں جاتا ہی نہیں۔ وہ کہے گا جی میں دیانتداری سے پیسہ کما رہا ہوں۔ کیسے دیانت داری سے کما رہا ہے کام ہی نہیں کرتے یہ ساری چیزیں

تو ہوں گی۔ کسی نے یہ دلچسپ سے اشعار لکھے ہیں۔

کہسار پہ جائیں ہم کہسار پہ جاؤ تم طوفان کا ڈر ہے طوفان تو ہو گا
کار بنائیں ہم یا کار بناؤ تم جاپان کا ڈر ہے جاپان تو ہو گا
کرکٹ کھیلیں ہم کرکٹ کھیلو تم عمران کا ڈر ہے عمران تو ہو گا
اونٹ پہ بیٹھے ہم کار دن پہ بیٹھے تم کوہان کا ڈر ہے کوہان تو ہو گا

تو یہ سب کچھ تو ہو گا بھائی اونٹ پہ بیٹھو گے تو کوہان تو ہو گا

سوال :۔ محبت کیا ہے اور کہاں سے ملتی ہے؟

جواب : حضرت محبت ایک بیماری ہے جو متعدی قسم کی ہے اور ایک سے دوسرے کو دوسرے سے تیسرے کو لگتی رہتی ہے تو محبت کرنے والوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے اس کے جراثیم آ جاتے ہیں۔ یہ اس مرض کے مریض ہیں سارے جو کام کاج چھوڑ کر اس سردی میں یہاں دھکے کھا رہے ہیں یہ کوئی صحیح لوگ نہیں ہیں

یہ سارے اس بیماری کے مار ... تے ہیں کون اپنی پسند سے یہ سارا
تکلف کرتا ہے اور یہ ... ، ایسے لوگوں کے ساتھ
بیٹھنے سے ہو جاتی ہے ... ن کا آسان راستہ بتایا
نا وکو نوامع الصٰدقین ... اٹھنا بیٹھنا رکھو کام
بنا رہے گا۔

سوال ؛ ... ر میں لیٹ ہو جاتے
ہیں پتہ نہیں ہوتا سانس ... پر قلب سے کرے۔

جواب : ، ... سلاً آپ نے قلب شروع
کیا اور وہ کہتے ہیں۔ پانچ وار ... موڑا تھوڑا دوسرا تیسرا
چوتھا کر کے پانچویں میں مل جائیں تو یہ بہتر ہے اچھا ہے اس طرح کہ سب پہ تھوڑا تھوڑا ہو جائے۔ شیخ کا کام یہ ہوتا ہے کہ شیخ کی توجہ آپ میں وہ قوت پیدا کر دے جو نیند کی محبت کو خیالات کی رکاوٹ، کو دنیاوی حاجات کو ان سب کو توڑ کر یادِ الٰہی میں اطاعتِ الٰہی

میں لگانے رکھے یہ قوت پیدا ہوتی ہے مجاہدے اور شیخ کی توجہ سے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ یہ رکاوٹیں ہی معدوم ہو جائیں یہ اپنی جگہ رہتی ہیں لیکن آدمی کو اللہ کریم، شیخ کی صحبت یا توجہ، یا اس کے مجاہدے، اپنی عطا سے ایک قوت عطا کر دیتا ہے جو ان رکاوٹوں کے باوجود وہ اپنے کام میں لگا رہتا ہے اور اگر توجہ ہٹ جائے یا شیخ سے رشتہ ٹوٹ جائے تو یہ کیفیت ختم ہو جاتی ہے۔ تو یہ چیزیں جو ہیں یہ فطری ہیں یہ فطری ہیں جو ہٹتی نہیں دھوپ سردی جس طرح موسم بدلتے رہتے ہیں جس طرح رات دن آتا ہے اس طرح کیفیات بھی آتی جاتی رہتی ہیں دوڑتی نہیں ہیں معدوم نہیں ہوتیں۔

سوال : ذکر کرتے وقت زور زور سے سانس لینا ضروری ہے کیا؟

جواب : حضرت سانس اگر زور سے نہیں لے سکتے تو نہ لیں لیکن اس طرح سے کریں۔ سانس سے ذکر ہم بھی نہیں کرتے۔ اصل بات یہ ہے کہ اسے تھوڑا سا سمجھنے کی ضرورت ہے ذکر تو ہم بھی توجہ سے کرتے ہیں قلب پر توجہ کرتے ہیں۔ ایک تو یہ ہوتا ہے کہ جب آپ سانس کے ساتھ اسے ذہنی طور پر جب آپ سانس لے رہے ہوتے ہیں تو اس کے ساتھ اللہ ہو، اللہ ہو، ہو رہا ہوتا ہے جب مشق پختہ ہو جاتی ہے۔ زور سے سانس لینے کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ خون میں حدت پیدا ہو کر انوارات کو جذب کرتی ہے اور جلد وہ کیفیات وارد ہوتی ہیں۔ زور سے نہ کیا جائے آرام سے کرتے رہو تو جو کیفیت سال میں پیدا ہو گی زور سے کرو تو شاید وہ ہفتے میں پیدا ہو جائے لیکن اگر کوئی زور سے نہیں کرنا چاہتا تو آرام آرام سے کرتا رہے اس میں فرق صرف یہ ہو گا۔ لیکن اس طرح جلدی نہیں ہو گا۔ زیادہ وقت لگے گا۔

بے نیاز رب جل جلالہٗ

لیفٹیننٹ کرنل سید عزیز الرحمٰن

انسان کے اچھے رہنے اور برے بننے سے اللہ الصمد کی ذات پر کچھ اثر نہیں پڑتا کوئی باغی ہو جائے۔ کوئی طاغی ہو جائے منکر ذات حیی وقیوم ہو جائے یا خود رب اعلیٰ کا دعویدار ہو جانے۔ کتنا بھی گھناؤنا عمل ہو یا کتنا بھی احسن عمل ہو خدا کی ذات یا مادی اصطلاح میں کہا جائے تو اس کے جذبات کو نہ اکسا نہ ابھار سکتا۔ نعوذ باللہ جذبات اللہ کی ذات سے منسوب کئے ہی نہیں جا سکتے صرف سمجھانے کیلئے استعارہ لیا ہے۔ برے کیلئے عطا کا در بند نہیں ہوتا اور اچھے حالتِ قبض اور سخت ترین آزمائشوں سے بچ نہیں سکتے۔

زندگی میں تواریخ کے حوالے سے بڑے بڑے ظالم تشقی القلب مکار و عیار۔ جاہ و جلال کے دلدادے، خود غرض و حد درجہ حریص، کبر و غرور میں اندھے اور عقل سلیم سے عاری اہل سطوت بادشاہ اور دبدبے والی اقوام گزری ہیں۔ دنیاوی طور پر خوب پنپی ہیں۔ اپنی تہذیب اور تمدن تاریخ کے حوالے کر کے پورے افتخار کے ساتھ سفر زیست مکمل کر کے گزری ہیں۔ بدترین دھند تاہٹ کے ساتھ سینکڑوں ہزاروں سالوں پر محیط طاغیانہ زندگی پورے جاہ و حشم کے ساتھ گزارا۔ اللہ معطی کے مادی خزانوں سے پورا استفادہ کئے گئے۔ بے نیاز رب نے ایک لحظہ کیلئے عطا کا ہاتھ کھینچا نہیں۔ سب کچھ نہ صرف برداشت کرتا رہا۔ بلکہ ان کی خواہشات اور وہ تمنائیں جو کسی جھوٹے معبود، بت، انسان یا جانور کے سامنے ان کے دلوں میں پھوٹیں، وہ بھی اللہ کریم پوری شان رحمانیت سے پورے کرتا رہا۔ البتہ جب انہی کی جنس میں سے کوئی رسول یا نبی آیا۔ اور اس نے منشاء ایزدی پوری استقامت سے انہیں بیان کیا اور انہیں خیر و شر سے آگاہ کیا۔ فطری اور مافوق الفطری نشانیوں سے ان کو سمجھایا۔ بعوض اس کے ان عظیم ہستیوں نے صبر آزما اور جانکاہ تشدد و جور کو نہ صرف مسکراہٹوں سے قبول کیا بلکہ یہ عظیم سپوت مصر یہ دعوت الا اللہ رہے۔ اور مقابل میں وہ طالح منتش و بدبخت کفر و عصیان اور کبر و طاغوتیت پر اڑے رہے۔ ان منزہ اور برگزیدہ ہستیوں نے خالصتاً ان ناعاقبت اندیشوں کی بہتری کی خاطر انہی کے ہاتھوں ظلم و ستم سالہا سال تک سہے۔ لیکن جب اللہ حکیم نے اپنی حکمت بالغہ سے حجت تمام ہوتے دیکھا تو اپنے انبیاء و رسل کے جذبات مزید مجروح اور انکی ذھنی کوفت مزید بڑھتی گوارا نہ کیا۔ اور تعزیری کاروائی کو کسی نہ کسی شکل میں لا ہی گئے۔ حکمت بالغہ کے لئے عقل انسانی کی رو سے اتنے انتظار کی ضرورت نہ تھی۔ پر اس میں بھی دو حکمتیں مضمر تھیں۔ ایک اس عادل مطلق نے اس دار لاسباب میں کفر والحاد پر ڈٹے ہوؤں کو پورا پورا موقع فراہم کرنا تھا۔ ساری حجتیں تمام کرنی

تھیں۔ سارے شواہد اکٹھے کرنے تھے۔ تاکہ ان کے لیے کوئی عذر فیصلے کے دن نہ رہے۔ اور انصاف کے تقاضے پورے ہوں اور دوسرا اس دارالکائنات میں بھی انبیاء و رسلؑ سخت ترین آزمائشوں سے بخیر برآ ہو کر اپنے اعلیٰ ترین اور افضل ترین منازل کے حصول اور اس کے حق میں شواہد پیش کر سکیں اور کائنات کل ان کو نظر حال سے دیکھ سکے

اب تک ایک بات عیاں ہوئی اور اہم نقطہ واضح ہوا۔ کہ انسانوں نے اللہ کا انکار کیا اس کی چاہت و خواہش کو درخور اعتنار نہیں رکھا۔ اس کی بادشاہی اور مُطلق العنانی پر دست درازی کی اس کے مقابل میں آنے کی جسارت نا عاقبت اندیشانہ کی۔ پر اللہ کے غیظ و غضب کو اور قوت پکڑ کر اپنے اوپر مسلط کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ وہ صمد ذات صمد ہی رہی۔ لیکن جب یہی کچھ بلکہ اس سے کم انہوں نے اس کے انبیاء و رسلؑ کے ساتھ کیا تو معاملہ سراسر الٹ ہوا۔ پیامبران علیہم السلام عاجزانہ التماس کرتے رہے کہ یہ ناسمجھ ہیں۔ پر جواب ملا فما ارسلنک علیھم حفیظاً۔ یعنی ان پر آپ پاسبان بنا کے نہیں بھیجے گئے ہو۔ اور کہا کہ یہ لوٹ کے آنے والے ہی نہیں۔ پس ان پر عذاب الیم کا مسلط ہونا اٹل ہے۔

گویا کہ جو رسول کا گستاخ وہ مغضوب اور جو رسول کا تابع وہ محفوظ رہا۔ یعنی مالک مطلق نے اپنی نافرمانبرداری سے تو صرف نظر کیا لیکن جب اس میں نافرمانبرداری نبی و رسول شامل ہوئی تو اللہ ذوالجبروت نے قطعاً برداشت نہیں کیا۔ بلکہ فرمایا میری فرمانبرداری بن رسول کے فرمانبرداری ہی نہیں۔ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ۔ پس جو نبی و رسول کا ہوا یا جس نے نبی و رسول کو اپنے میں سمایا وہ منظور نظر ایزدی ہوا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ آگ کا الاؤ ہے۔ فطرۃً جلانے والی شے ہے۔ لیکن جب نبی علیہ السلام اس میں داخل ہوتے ہیں۔ تو فطرت پھر جاتی ہے اور آگ جان فزا اور روح افزا ہو جاتی ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سب کچھ حکم خداوندی سے ہوا۔ اور ویسے تو کوئی شے بھی تصرف خداوندی سے آزاد نہیں۔

یہاں جب کہ حضرت ابراہیم صاحب صلوٰۃ و تسلیم کی جان بچانی مقصود تھی۔ وہاں یہ بھی میری حقیر رائے میں سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ کوئی شے چاہے کتنی باغی ہو کتنی مہلک یا ہلاکت خیز ہو۔ اگر اس میں نبیؐ سرایت کر جائیں تو وہ جانکاہ سے جانفزا ہو جاتی ہے۔ بے جان سے جاندار ہو جاتی ہے۔ حامل دل و نظر حامل قلب و بصیرت ہو جاتی ہے۔ باعث سرور اطمینان ہو جاتی ہے۔ اور امن و سلامتی کا نقیب بن جاتی ہے کیا یہ آپ نے عمر و خالد رضی اللہ عنھم میں نہیں دیکھا؟

اسی طرح ایک لکڑی ہے۔ دست رسول میں کارآمد اوزار ہے۔ جانداروں کو روزی مہیا کرنے کا ذریعہ ہے۔ الوالعزم پیغمبرؑ کا سہارا ہے۔ اپنی حیثیت میں متبرک و مشرف ہے۔ لیکن قبضۂ رسول سے چھوٹتی ہے تو بدترین اژدھا بن جاتی ہے۔ اور وہ عصا جو ضبط میں زیست کا سبب ہے بن رسول مہلک ترین شکل اختیار کر جاتا ہے۔ اور قانون ہے کہ جو مہلک ہوا وہ ہلاک ہوا اور جو مژدۂ حیات دے گیا وہ مشرف ہوا۔ اس نے حیات جاودان پایا۔ یہ بھی حکم خداوندی سے ہوا۔ پر میرے جیسے کم علم کے لئے یہ پیغام چھوڑ گیا۔ کہ رسول کی خواہشات کا آلہ رہ کر اس کی تابعداری میں رہ کر بندہ مشرف رہتا ہے۔ اور اس سے باغی ہونے پر مہلک بنتا ہے اپنے کو ہلاک کرانے کے لئے الوالعزم پیغمبر علیہ السلام بحر بانٹتے ہیں۔ بڑی گزرگاہ بنتی ہے۔ جو معیت رسوم میں ہیں چاہے کسی بھی روحانی حیثیت کے ہوں یا گنہگار ہوں خرامان پار ہوتے ہیں۔ اور وہی پانی اعداء نبی نگل جاتا ہے۔ انسان تو مؤخر الذکر بھی تھے۔ ظاہری آن بان۔ دبدبے اور قوت میں زیادہ بھی تھے۔ مگر مصاحبین شاہ حقیقی نہ تھے۔ ان کا شاہ حقیقی نہ تھا ڈرامے کے منظر کے وقت تک مستعار بادشاہی ملی تھی۔ ڈرامے میں ملوث متعلقہ لوگوں پر تو اس کی متابعت ضروری ہوئی کہ انہوں نے اپنی تئیں اپنے پہ لازم کیا تھا۔ باقی کائنات تو تماشائی اس لغو ڈرامے کو دیکھتی آ رہی تھی۔ وہ کب ایک الوالعزم پیغمبر اور پیکر نیابت علیہ السلام کے ہوتے باطل

باقی صفحہ ۴۸ پہ

دُوسری شادی کیوں؟

قاریہ

پاکستان ٹیلی ویژن نے ایک سیریل میں ہیرو کی دوسری شادی کروا دی تو چاروں طرف سے خواتین کی جوشیلی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ تمام خواتین (میری جاننے والی) باجماعت ہیرو کو بُرا بھلا کہنے میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھیں۔ ایسے میں میری رفقائے کار بھی کسی سے پیچھے نہ رہیں۔ تفریح کے وقفے میں سٹاف روم میں داخل ہوئی تو وہی ڈرامہ موضوعِ گفتگو پایا۔ مَیں نے بیٹھتے ہی کہہ دیا کہ "مَیں تو مرد کی دُوسری شادی کے خلاف نہیں ہوں"۔ بس مَیں نے یہ کہہ کر گویا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال دیا۔ چاروں طرف سے لعنت ملامت کا وہ طوفان اُٹھا کہ ابتدائی چند لمحوں میں تو مجھے یہ سمجھ نہ آئی کہ کون، کیا کہہ رہا ہے؟ آخر ہم بھی جوشِ خطابت میں سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور اپنے مؤقف پہ ڈٹ گئے۔ میری رفقائے کار کا خیال تھا کہ یہ محض افسانوی مکالمے ہیں جو مَیں ادا کر رہی ہوں۔ شادی شدہ خواتین کا خیال تھا کہ ہم نے یہ بات محض اس لیے کہہ دی ہے کہ ابھی اس تجربے سے گزرے نہیں لہٰذا اس رشتے کو سمجھ ہی نہیں سکتے تو پھر دوسری شادی (مرد کی) کے ظلم کو کیونکر محسوس کر سکتے ہیں؟ جبکہ غیر شادی شدہ لڑکیوں کے نزدیک "سب پہلے کی باتیں" تھیں۔ مگر جب اُن سب نے مجھے خاصا سنجیدہ پایا تو بحث پہ اُتر آئیں کہ آخر ان ستّر سالہ بزرگوں کو سترہ سال کی نوخیز لڑکیاں ہی کیوں نظر آتی ہیں۔ کسی ہم عمر سے شادی کیوں نہیں کرتے؟ عرض کیا جب اسلام نے عمر کی کوئی قید نہیں رکھی تو ہم یہ پابندی لگانے والے کون ہیں؟ اور دیکھیں جب وہ سترہ سالہ لڑکی معترض نہیں تو آپ کیوں پریشان ہیں؟ اس پہ وہ دلائل پہ اُتر آئیں کہ دوسری بیوی کے آتے ہی پہلی کا خیال تک نہیں رہتا وغیرہ وغیرہ۔ مَیں نے کہا یہ مرد کی زیادتی ہے۔ اور اُس کے لیے وہ خدا کے حضور جوابدہ ہوگا۔ مگر ہم اسلام کے قانون کو بُرا نہیں کہہ سکتے۔ اگر ایک مسلمان بُرائی یا ظلم کرتا ہے تو اسلامی قانون کو بُرا یا ظالم کیوں ٹھہرایا جائے۔ جبکہ اس شخص نے بُرائی یا ظلم کرتے ہوئے بذاتِ خود اسلام کے قوانین کی خلاف ورزی کی ہو۔ غرض بحث کا اختتام "بڑبڑاہٹوں" پہ ہُوا بلکہ مسز صدیقی اُٹھتے ہُوئے کہہ گئیں کہ "اللہ نہ کرے خود آپ کے ساتھ ایسا ہو اور آپ کو اس ظلم کا احساس ہو"۔ لیکن انداز ایسا تھا گویا کہہ رہی ہوں اللہ کرے آپ کے ساتھ ایسا ہو اور آپ کو اس ظلم کا احساس ہو۔

یہ حقیقت ہے کہ واقعی مَیں جب بھی کسی کو مرد کی دوسری شادی کے خلاف بولتے ہوئے دیکھتی تو میرا دل کانپ کانپ جاتا اور مَیں محض تکلف میں بھی کسی بی بی کا ساتھ نہ دے پاتی کہ مجھے اپنے رب سے حیا سی آجاتی۔ جن دنوں میں اسلام میں مرد کو دوسری شادی کی اجازت دینے کی مصلحت سے ناواقف تھی تب بھی میرے لیے یہی کافی تھا کہ اللہ کا بنایا ہُوا قانون غلط نہیں ہو سکتا۔

اس ''اجازت نامے'' میں کیا مصلحت ہے؟ وہی جانے مگر یہ غلط قرار نہیں پا سکتا۔ آخر رب کی طرف سے دیا جانے والا ''اجازت نامہ'' کیونکر نامناسب ہو سکتا ہے؟ لہٰذا بھری محفل کے تمام تر طنز، طعنے اور سوالات کے جواب میں مَیں فقط ایک ہی بات کہتی کہ یہ میرے نبیؐ کی سنّت ہے اس لیے یہ ناانصافی نہیں ہو سکتی۔ میرا نبیؐ کسی پہ ظلم نہیں کر سکتا۔ وہ ہستی جو پوری کائنات کے لیے رحمۃ للعٰلمین بن کر آئی وہ کسی کو معمولی سی زحمت بھی کیونکر دے سکتی ہے؟ چہ جائیکہ دوسری شادی بلکہ شادیوں کا ''ظلم'' ڈھائے۔

اگر شوہر پہلی بیوی سے بُرا سلوک کرتا ہے تو یہ اس کا اپنا فعل ہے۔ جس کا اجر اس کے لیے آخرت میں محفوظ ہے، ہمیں اپنا عمل درست رکھنا چاہیئے۔ اگر وہ بُرا ہے گا تو بھگتے گا۔ ایک دن میری ایک دوست نے میری یہ تمام تر تقریر سُن کر بڑے آرام سے کہا۔ ''دیکھو تمہارا اللہ سے اس حد تک تعلق مضبوط ہو گیا ہو گا کہ صرف آخرت ہی پہ نظر رکھو لیکن ہم ابھی اِسی دُنیا میں بستے ہیں جو دُنیا کو فقط دُنیا کی نظر سے دیکھتی ہے لہٰذا ہم اس بات پہ صبر نہیں کر سکتے کہ قیامت آئے، حساب کتاب ہو اور پھر کہیں جزا و سزا کے فیصلے ہوتے پھریں۔ ہمارے لیے تو مرد کی دوسری شادی بذاتِ خود بہت بڑی قیامت ہے ہم کسی اور قیامت کا انتظار نہیں کر سکتے لہٰذا عورت کو چاہیئے کہ مرد کی اس قسم کی نیّت بھانپتے ہی ہنگامہ کھڑا کر دے''؟ مَیں نے کہا چلیے اللہ کا معاملہ تو ایک طرف رکھ دیں لیکن جب مرد دوسری شادی کرنے پہ آ جاتا ہے تو کیا بیوی کا واویلا اُسے روک لیتا ہے؟ روک سکتا ہے؟ ہرگز نہیں ایسی صورتِ حال میں وہ یہ کام چوری کر گزرے گا اور اِس قسم کی داستانوں سے ہمارا معاشرہ بھرا پڑا ہے اور اگر جو کوئی زیادہ دلیر ہُوا تو جو جی میں آئی ڈنکے کی چوٹ پہ کر گزرے گا تم عورتیں کیا کر سکتی ہو؟ تو پھر بہتر ہے کہ خود کو کمتر و ذلیل نہ کرو۔ ڈٹ کے کہو جتنی جی چاہے شادیاں کرتے پھرو۔ دل خواہ کتنا ہی جلے لیکن عورت کو اپنا وقار بحال رکھنا چاہیئے۔ آنسو بہانے میں مزہ صرف اُسی صورت میں ہے جب کوئی انہیں اپنے ہاتھوں پہ لینے والا ہو۔ یوں خود کو بے وقعت کرنا تو بڑی ہی گھٹیا حرکت ہے۔ یا پھر عورت بھی ذرا دلیری کرے اور خود بھی علیحدہ ہو کر دوسری شادی کر گزرے۔ کوئی جی دارانہ حرکت تو ہو۔

ہر انسان کا اپنا اندازِ فکر ہوتا ہے۔ اِس سلسلے میں میرا ذاتی خیال یہ بھی ہے کہ کسی کو خاندانی دباؤ، فساد یا واویلا مچا کر باندھ کے رکھا تو کیا رکھا۔ مزہ تو جب ہے اگر کوئی بغیر کسی بندش کے اپنا ہو کر رہے۔ جب مَیں دیکھتی کہ بیبیاں میری باتوں پہ زیادہ جوش کھا گئی ہیں تو پھر مَیں اُلٹا انہیں موردِ الزام ٹھہرا دیتی کہ عورت نے بے پردہ ہو کر اپنے پاؤں پہ خود کلہاڑی ماری ہے۔ نہ شوہر کو بیوی کے علاوہ کوئی دوسری خاتون نظر آتی نہ شادی کی خواہش مچلتی۔ اِس سے بڑی حماقت کیا ہو گی کہ کسی کے سامنے پُرکشش سراپے لا کھڑے کرو اور پھر اس کی آنکھوں سے اُن کا عکس نوچنے کی کوشش، ناکام کوشش شروع کر دو۔ اگر حُسن کو بے محابا چھوڑ کر کسی کے ہاتھ باندھ دیے جائیں کہ اسے فقط دیکھنے کی اجازت ہے چھُونے کی نہیں تو میرے ذاتی خیال کے مطابق رسیاں نہ تڑوانے والا یا تو بدذوق ہے یا پھر کم ہمّت۔ اور پھر شادی کرنے والا تو باقاعدہ شرعی تحفظ حاصل کر رہا ہے۔

اِس ضمن میں جو بات میرے لیے سب سے زیادہ باعثِ حیرت تھی وہ یہ کہ ملکی سیاست سے لے کر گھریلو امور تک مَیں نے ایک عورت کو دُوسری سے بہت کم متفق پایا لیکن جب مرد کی دوسری شادی کی بات چھڑی، خواتین تڑپ تڑپ گئیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ امیر ہو یا غریب، پڑھی لکھی ہو یا اَن پڑھ، گھریلو خاتون ہو یا ملازمت پیشہ، مذہب سے لگاؤ رکھنے والی ہو یا مذہب کی ابجد سے ناآشنا سب کی سب خواتین کا ایک سا ردِّ عمل ہوتا۔ شروع شروع میں تو مَیں نے اس موضوع پہ کبھی سنجیدگی سے غور نہ

کیا کہ آخر ایسا کیوں ہے؟ یہ تمام کی تمام خواتین اس ایک بات پر کیونکر متفق ہوگئی ہیں؟ لیکن جب ۱۹۸۹ء کے سالانہ اجتماع پہ ایک سینئر ساتھی کی بیوی جو خود بھی ہمارے طریقہ ذکر کو لوگوں میں متعارف کراتی ہیں، نے مجھ سے کہا "آپ تو 'المرشد' میں لکھتی رہتی ہیں کبھی ان مردوں کی دوسری شادی پہ بھی تو کچھ لکھیں۔ آپ کو خواتین کے مسائل پہ بات کرنی چاہیئے۔" تو مجھے کچھ حیرت سی ہوئی اُن سے تو مَیں نے کہہ دیا کہ "خواتین کے مسائل" والا موضوع اسقدر گھسا پٹا ہے کہ مجھے اب اِس سے کچھ چڑ سی ہوگئی ہے اور مَیں نے واقعی آزادیٔ نسواں، جہیز کے مسائل وغیرہ پہ کبھی کچھ نہیں لکھا۔ اس لیے نہیں کہ مجھے اِن مسائل کا احساس نہیں بلکہ خواتین ان مسائل پر اس قدر بول چکی ہیں کہ مجھے اپنا حلق خشک ہوتا محسوس ہونے لگا ہے۔ لیکن ایک سینئر ساتھی کی بیوی اور خود بھی صاحبِ مقام خاتون کو 'دوسری شادی' کی مخالف دیکھ کر مجھے ذرا عجیب سا لگا۔ پھر مَیں نے بھی سنجیدگی سے سوچنا شروع کیا کہ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ سب سے پہلا خیال تو مجھے یہ آیا کہ زمانے بھر کی خواتین جو باجماعت اس کی مخالف ہیں تو آخر اسلام کے پیشِ نظر کیا مصلحت تھی؟ انہیں دنوں پاکستان کے ایک معروف ماہرِ نفسیات (جو کہ ایک اچھے مسلمان بھی ہیں) کا انٹرویو نظر سے گزرا۔ جس میں انھوں نے نہایت مؤثر انداز میں مرد کی دوسری شادی کی حمایت میں بولتے ہوئے کہا "مَیں جس مرد سے بھی ملا اُسے دوسری شادی کا خواہش مند پایا لیکن وہ معاشرتی دباؤ کے سبب ایسا کرنے کے قابل نہ ہو سکا۔ مرد کی اخلاقی بے راہروی، افسردگی، نفسیاتی بیماری اور گھٹن کا سبب یہی ہے کہ جو زیادہ طاقتور ہے اس کی طاقت کو کمزور کے معیار تک جبراً گھٹا دیا جاتا ہے۔ مرد جسمانی، ذہنی اور رُوحانی برتری کا حامل ہے۔ عورت ان اوصاف میں اس کے مقابل نہیں۔ ایک مرد اپنی حیثیت میں عورت کے برابر کیونکر ہو سکتا ہے؟ یعنی مادی حیثیت میں۔ اگر جبراً فطرت کو دبا دیا جائے تو پھر دو ہی متبادل انجام ہیں۔ یا تو WASTING ILLNESS کے طور پر خاتمہ یا پھر بغاوت۔ اس لیے اگر مرد کو اس کی مثالی حیثیت اور جسمانی قوت اجازت دے تو اُسے دوسری شادی کی اجازت ہونی چاہیئے۔ البتہ ایک صحت مند مشورہ یہ ہے کہ عمر رسیدہ مرد اپنی عمر سے قریب قریب خواتین سے رشتۂ مناکحت اختیار کریں۔" اِس کے علاوہ انہوں نے ترکی کی مثال دیتے ہوئے کہا "ترکی میں اتاترک تھے تو انگریز اُن کے ذہن پر مسلط تھا اور انھوں نے ایک شادی کا قانون نافذ کر دیا اور اسلامی قوانین کو تہہ کر کے طاق میں رکھ دیا تھا اور ثابت ہوا کہ صرف ایک شادی معاشرے کے لیے مصیبت بن گئی۔" اِس انٹرویو سے اسلام میں دوسری شادی کی اجازت کی مصلحت کچھ سمجھ تو آئی لیکن پھر بھی جب تک کسی معاملے (خصوصاً دین کے) میں حضرت مدظلہ کی رائے نہ لے لوں مجھے تسلی نہیں ہوتی لہٰذا اُن سے سوال کیا تو آپ نے بڑے مختصر مگر جامع انداز میں فرمایا دوسری شادی کی اجازت دینے کے سلسلے میں اسلام کے پیشِ نظر جو مصلحتیں ہیں۔ اُن میں سے ایک تو وہی عام ہے، جسمانی لحاظ سے مرد کی برتری ایک شادی کے قانون کی وجہ سے اہلِ یورپ کی بے راہروی کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ لیکن ایک دوسری مصلحت جسے عموماً نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اسلام نے یہ اجازت عورت کے تحفظ کے لیے بھی دی۔ اس طرح سے ایک مرد کے تحفظ میں ایک سے زیادہ عورتیں زندگی گزار سکتی ہیں۔" مگر ایک عورت ایک مرد کے تحفظ میں بھی تو رہ سکتی ہے؟ ہم سوال کرنے سے باز نہ رہ سکے۔ حضرت جی مدظلہ مسکرائے اور اپنی فطری شفقت و نرم لہجے سے فرمایا "یہ ایک تاریخی عمل ہے کہ عموماً مختلف ملکوں میں جنگوں خصوصاً طویل جنگوں میں مردوں کے مارے جانے کی وجہ سے اُن کی تعداد میں واضح کمی آجاتی ہے۔ اس وقت خواتین کی تعداد ان سے بہت بڑھ کے ہوتی ہے۔ لہٰذا ایک مرد کے زیرِ سایہ ایک سے زیادہ خواتین تحفظ حاصل کر لیتی ہیں۔"

اب میرا ذہن بالکل صاف تھا اور یہ مصلحت نہایت وضاحت سے سمجھ میں آچکی تھی کہ ایک خاتون سائیکاٹرسٹ کو مرد کی دوسری شادی کے خلاف بولتے سن لیا۔ مسئلہ چونکہ ذہن میں واضح ہوچکا تھا لہٰذا اب ہمارا ماتھا ٹھنکا کہ آخر میں یہ خواتین باجماعت اس مسئلے کی مخالفت پہ کیوں کمربستہ ہیں؟ اور آج کوئی دو سو سال بعد میں نے محض جذبات میں آکر قلم نہیں اُٹھایا۔ بلکہ بڑے ٹھنڈے دل و دماغ سے خوب سوچ سمجھ کر اس موضوع پر کچھ کہنے کچھ لکھنے کا سوچا ہے۔ میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ یہ دوسری شادی کا مسئلہ بھی شرعی حق مہر قسم کا ہے۔ یعنی اگر جہیز لینا ہو تو دُنیا کی ہر آسائش مہیا کی جانی چاہیئے۔ والدین اس کمر توڑ مہنگائی میں پورے کا پُورا گھر بنا کر دینے پر مجبور ہیں لیکن جب بات آئے حق مہر کی تو وہ وہی "شرعی" یعنی سوا بتیس۔ جسے لے کر اگر بیگم روٹھ کر چکوال سے لاہور تک بھی جانا چاہے تو جا نہ سکے۔ بوقتِ نکاح دولہا کے ماں باپ کو فوراً شریعت یاد آجاتی ہے۔ اور جب دولہا کا جہیز جارہا ہو تو فخر سے ایک ایک چیز لوگوں کو دکھائی جاتی ہے۔ گویا یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ ہم میں شریعت کو پامال کرنے کی اس حد تک جرأت موجود ہے۔ بالکل اسی طرح جب دوسری شادی کا معاملہ آتا ہے تو فوراً مردوں کو شرعی تحفظ، اصول و قوانین یاد آجاتے ہیں یوں جیسے یہ شریعت کی اجازت نہیں بلکہ حکم ہے۔ کہ دوسری شادی لازمی کی جانی چاہیئے لیکن بعد میں جب معاملہ حقوق و انصاف پہ آجاتا ہے تو کہاں کی شریعت؟ اور کیسا اسلام؟ پھر ہمارے نہایت مدبر حضرات بھی بیچارگی کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں۔ کہ "شادی کے بعد بیچارہ مرد مظلوم بن کر رہ جاتا ہے۔ دونوں طرف کی فرمائشیں اسے فٹ بال بنا کر رکھ دیتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ گویا آبیل مجھے مار کا محاورہ مرد کی دوسری شادی ہی پہ تو کہا گیا ہوگا۔

میں نے دیکھا کہ بات صرف اتنی سی ہے کہ مرد نے جب قرآن حکیم آیت کا پہلا حصہ یاد رکھا۔ فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ۔ نکاح کرو جو تم کو پسند آویں عورتیں دو، دو اور تین تین اور چار چار۔ اور آخری حصہ بھلا دیا کہ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً۔ پس اگر ڈرو کہ انصاف نہ کرسکو گے تو ایک ہی بہتر ہے۔

تو خواتین معاشرے میں بکھری ناانصافی کے ہاتھوں سسک سسک کے زندگی گزارنے والی 'پہلی بیویوں' کی حالت دیکھ کر بُری طرح بدک گئیں۔ شوہر کی دوسری شادی کے سلسلے میں اُن کے ذہن میں صرف ایک ہی تصور رہ گیا ہے۔ 'مکمل بے اعتنائی اور شوہر سے مستقل جدائی'۔ اور اِس تصور نے انہیں اِس قدر ہلا کر رکھ دیا ہے کہ وہ دوسری شادی (خاوند کی) کے نام ہی سے کانپ اُٹھتی ہیں۔ اِس لیے کہ ان بیوہ سہاگنوں کی حالتِ زار نے انہیں مرد کی دوسری شادی کا ایک ہی مطلب سمجھایا ہے، زندہ درگور ہو جانا۔ عجیب تر بات تو یہ ہے کہ اس ضمن میں صرف پہلی بیوی ہی شوہر کی بے توجہی کا نشانہ نہیں بنتی بلکہ اس کے بچے بھی سوتیلی اولاد کی طرح باپ کی نظروں میں کھٹکنے لگتے ہیں۔

ممکن ہے آپ کو میری یہ تمام باتیں ایک خاتون کی یکطرفہ جذباتی سوچ کا عکس معلوم ہوں لیکن ذرا ٹھنڈے دل سے اپنے ارد گرد دیکھیے ہمیں بے شمار جوان عورتیں خاوندوں کے ہوتے ہوئے بیواؤں کی سی زندگی گزارتی نظر آئیں گی۔ لاتعداد بگڑے ہوئے بچے باپ کی غفلت کی مُنہ بولتی تصویر بنے دکھائی دیں گے۔ اور ان دَرد بھری داستانوں کا پس منظر کیا ہوگا؟ خاوند نے دوسری شادی کر رکھی ہے۔

یہ سب لکھنے سے میرا مقصد نہ تو کوئی نصیحت کرنا ہے اور نہ ہی کوئی وعظ کرنے کا ارادہ ہے۔ فقط اتنا چاہتی ہوں۔ کہ بحیثیت مرد کے مسلمان کو چاہیئے کہ اگر وہ شادی (دوسری) کرنا چاہتا ہے تو بنی اسرائیل کی طرح کتاب اللہ میں سے فقط اپنی مرضی کے

احکامات پہ عمل کر کے خلافِ منشا احکامات کو نظر انداز نہ کرے۔ کہ افتؤ منون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض۔ تم ایمان لاتے ہو کتاب کے بعض حصوں پر اور انکار کرتے ہو بعض کا۔

یہ درست ہے کہ اسلام نے چار شادیوں کی اجازت دے رکھی ہے۔ لیکن اس نے شرط بھی بڑی کڑی رکھی ہے کہ اگر ڈرو کہ انصاف نہ کر سکو تو ایک ہی بہتر ہے اور انصاف کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ مادی حاجات سے لے کر جذباتی ضروریات تک میں انصاف کرنا ایک کڑا قانون ہے اور اسے نافذ کرنے والا قانون دان ایک ایک لمحے سے واقف ہی نہیں اس کا حساب بھی لے گا اور بندوں کے حقوق بندوں کے بخشنے ہی پہ معاف ہو سکیں گے لہٰذا جب کبھی بھی دل میں دوسری شادی کی خواہش مچلنے لگے ایک لمحے کے لیے اپنی مالی اور جذباتی حالت کا اندازہ بھی کر لیجئے گا کہ آپ دو یا دو سے زیادہ گھرانوں کی تمام ضروریات پوری کر سکتے ہیں؟ اور کیا آپ تمام بیویوں (خواہ ان میں سے ایک آپ کو کتنی ہی عزیز یا پیاری کیوں نہ ہو) کے ساتھ یکساں سلوک کر پائیں گے؟ اگر نہیں تو اس خواہش پہ عمل پیرا ہونے سے پہلے اُس روزِ جزا کا تصور بھی کر لیجئے جس دن کوئی کسی کے کام نہ آسکے گا اور نہ قبول کی جائے گی کسی کی سفارش۔

بحیثیت خاتون کے بھی ایک مسلمان خاتون مرد کے غلط رویئے کے خلاف تو دل کی بھڑاس نکال سکتی ہے، اس کی ناانصافیوں پہ اُسے جی بھر کے ملامت کر سکتی ہے لیکن اُسے یہ کسی طور بھی زیب نہیں دیتا اور نہ ہی یہ مناسب ہے کہ جذبات کی شورش میں وہ دینِ حق کے کسی قانون کے خلاف بولنا شروع کر دے۔ مرد کو دوسری شادی کی اجازت اللہ کریم نے دے رکھی ہے اور اس میں (اگر ٹھنڈے دل سے دیکھا جائے تو) بھلائی بھی عورت ہی کی ہے۔ (کافی حد تک) لہٰذا اس قانون کے خلاف زبان کھولنے سے پہلے یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ یہ قانون کس کا مرتب کردہ ہے؟ اور کس ہستیِ مبارک نے اس پر عمل کر کے اسے ہمارے سامنے ضابطۂ حیات بنا کر پیش کیا؟

اسلام نے مرد کو دوسری شادی کی اجازت دے کر عورت پر ظلم نہیں کیا اس نے تو نہ صرف مادی ضروریات میں انصاف کی تلقین کی ہے بلکہ انسانی جذبات کو مقدم سمجھتے ہوئے شوہروں کے لیے راتیں تک تقسیم کرنے کا حکم صادر فرما دیا ہے بلکہ یہاں تک کہ اگر کوئی مرد رات کو ملازمت پہ جاتا ہے (جسے ہم NIGHT DUTY کہتے ہیں) تو وہ اپنے دن کا وقت تقسیم کرے۔ اس نے تو روٹی، کپڑا اور مکان کے ساتھ ساتھ وقت کو یکساں بانٹنے کی تاکید کی ہے۔ اُس نے عورت پہ ظلم نہیں کیا اُس نے تو عورت کو تحفظ دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ عورت کا خالق ہے۔ وہ اس کے جذبات، احساسات اور خیالات کو اُس سے بڑھ کے سمجھنے والا ہے اور ہمارا رب ظالم نہیں ہے۔ ستر ماؤں سے بڑھ کر پیار کرنے والی ہستی اپنی مخلوق کے لیے ایک مستقل جذباتی اذیت کا سامان کیونکر کر سکتی ہے؟ اس نے جب یہ قانون بنایا تو عورت کی مکمل نفسیات بھی اس کے سامنے تھی کہ اس کا خالق بھی تو وہی ہے۔ لہٰذا اگر اس قانون کو اپنانے کے دعویدار اسے پامال کر رہے ہیں تو قانون بُرا نہیں اُسے توڑنے والے ظالم ہیں۔ اگر کوئی ٹریفک کی سُرخ بتی پہ رُکتا نہیں تو چوراہے میں سُرخ بتی لگانا ظلم نہیں اسے نظر انداز کر کے بھاگ نکلنا زیادتی ہے۔ لہٰذا قانون شکن لوگوں کو کچھ بھی کہیے مگر اُس ضابطے کے خلاف مت بولیے جس پہ ہمارے نبیؐ نے عمل کیا ہے اور اس طرح سے عمل کیا ہے کہ گیارہ بیویوں میں سے کسی ایک کے معاملے پر بھی کوئی انگلی نہیں اُٹھا سکتا کہ اس کے ساتھ رتی بھر بھی ناانصافی ہوئی ہو تو کیا یہ ثبوت اس ارشادِ باری کے قابلِ عمل ہونے کے لیے کافی نہیں؟

آٹے میں نمک کے برابر ہی سہی لیکن ہمیں اپنے معاشرے میں بھی ایسی مثالیں مل جاتی ہیں جہاں مردوں نے اپنی تمام بیویوں

کی خواہشات اور متابعت گوارا کرتی۔ پس فطرت متلاطم لہروں کا بے بسیلے کو ڈبو نا تھی اور وہ کر گئی۔ باطل کا کیا دخل ہو سکتا تھا۔

ہمیں یہ بھی یاد ہے۔ کہ دھول اور ریت اڑتی ہے۔ کہ میدان کارزار میں یہی تو ہوتا ہے۔ اور اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے لیکن جب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس صاحب صلوٰۃ و تسلیم اس اڑانے میں شامل ہوئی۔ تو اس مٹھی بھر ریت نے کائنات پر جو نقش چھوڑا۔ تاریخ کا جو دھارا بدلا۔ تقدیروں کو جس عطا اور جس محرومیت سے دو بدو کیا۔ کیا ابن رسول صلعم کے بے حساب مقدار کا ریت کر سکے گا؟ کبھی ہوتے نہ دیکھا نہ سنا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ سب کچھ کیا خدا نے پر رسول کی وساطت سے پس کوئی چیز حجت نہیں بنتی سوائے متابعت رسول کے۔ پس سعادتمندی یہ ہے کہ فلاح اور مکمل تزکیہ کے حصول کیلئے انبیاء و رسل کے دامن کو تھاما جائے۔ اور چونکہ مقصد یہ تھے۔ کہ خاتم النبین سید المرسلین اور امام الانبیاء ہیں صلی اللہ علیہ وسلم پس ماحاصل متابعت کل متابعت محمدؐ ہے صلی اللہ علیہ وسلم پس ان کی محبت اور ان سے عشق کو اوڑھنا بچھونا بنایا جائے۔ کہ اللہ کی قرب کا اگر کوئی سند ہے تو یہی ہے۔ ارشاد ہے فَمَنْ یُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہ۔ یعنی جس نے رسول کی متابعت کی اس نے فی الواقع اللہ کی متابعت کی۔ پس اے بنی آدم یہی نصیحت بالغہ پلو باندھ کہ فَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا۔ کہ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دے اس کو تھامے رکھو۔ اور جس سے وہ روکے اس سے منع ہو جاؤ۔

اب یہ جسارت کرتا جاؤں۔ کہ اگر خدائے رحمان کے بسیط خیمہ رحمانیت میں ہر آن رحمانیت اور انعامات کی لامتناہی تقسیم ہو رہی ہے۔ تو اسی خیمہ کے اندر جا بجا۔ وقتاً فوقتاً غیظ و غضب کی آندھیوں کے چلنے کا بھی امکان رہتا ہے۔ پر یہ وثوق سے بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے۔ کہ سیدنا و نبینا رحمت اللعلمین صلی اللہ علیہ وسلم کی چھتری رحمت کے سائے میں رحمتیں ہیں اور اس کے نیچے قہر و غضب کا دخول ناممکن ہے۔

≡ ⁞⁞⁞ ≡ ⁞⁞⁞ ≡ ⁞⁞⁞ ≡ ⁞⁞⁞ ≡ ⁞⁞⁞ ≡ ⁞⁞⁞ ≡

بقیہ : بے نیاز رب جل جلالہٗ

کے ساتھ کچھ اس طرح سے یکساں سلوک کیا کہ اولاد تک میں فرق محسوس کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کون سا بچہ کس بیوی کا ہے؟ اور ہونا بھی چاہیئے کہ اولاد تو اولاد ہوتی ہے۔ خواہ اللہ کریم نے کسی بھی بیوی سے عطا کی ہو اور ایسے مرد حق اپنی بیویوں کو بھی کچھ اس طرح سے محبت، تحفظ اور خلوص دیتے ہیں کہ خواہ بیوی کے دل کے نہاں خانوں میں کہیں خاوند کی دوسری شادی کا دکھ چھپا ہو۔ مگر وہ یہ ماننے پہ تیار ہوتی ہے کہ اس کے خاوند نے زندگی بھر میں اُسے کبھی کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہونے دی اور وہ نہاں خانوں میں چھپا درد بھی غالباً برِ صغیر میں ہندوؤں کی برس ہا برس کی صحبت کے نتیجے میں دی گئی تربیت کے باعث ہی ہوتا ہے۔

اسلام نے بلاشبہ چار شادیوں کی اجازت دی ہے مگر مرد کو کہ محبت، شجاعت، دیانت، صداقت اور انصاف پسندی جس کی پہچان ہوتی ہے اور ہونی چاہیئے۔

≡ ⁞⁞⁞ ≡ ⁞⁞⁞ ≡ ⁞⁞⁞ ≡ ⁞⁞⁞ ≡

اسرار التنزیل

	غیر مجلد	مجلد آرٹ پیپر
جلد اوّل	۱۰۰/-	۱۹۰/-
جلد دوم	۸۰/-	۱۳۰/-
جلد سوم	۷۰/-	۱۳۰/-
جلد چہارم	۸۰/-	۱۳۰/-

منی آرڈر یا ڈرافٹ بھیج کر منگوا سکتے ہیں

اویسیہ کتب خانہ۔ اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ ٹاؤن شپ۔ لاہور

غبارِ راہ

بے حد شگفتہ، اُجلی اُجلی اور جذب کرنیوالی تحریر
حصّہ دوم بھی چھپ چکا ہے۔

جس میں سفر بھی ہے، سیر بھی ہے، مزاح بھی ہے، تہذیبِ مغرب کی عکاسی اور تجزیہ بھی ہے۔ مگر ان سب کے علاوہ اور ان سب پر مقدم اِس مُقدس اور عظیم مشن کی تکمیل اور اپنے فرض کی ادائیگی کا احساس ہے جو اس تحریر کو ایک منفرد شان، حُسن اور مقصدیت بخشتا ہے۔ اِس پائے کی تحریر صرف ایک ہی قلم کی زینتِ نوک ہو سکتی ہے

شیخ المکرّم حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہٗ
کے سفرناموں کا مجموعہ

قیمت: ۱۳۰ روپے

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے

انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہیں آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہیں پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔ 9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255